لکھنؤ

تعمیرِ حیات

پندرہ روزہ

اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرامؓ کی جو جماعت بنی وہ ایمان اور محبت رسولؐ اور آپؐ کے لائے ہوئے دین اسلام کی پیروی میں ناقابل تسخیر پہاڑ کی طرح تھی اور بتدریج اتنی بڑی تعداد میں یہ جماعت تیار ہوئی کہ تاریخ انسانی میں ایسی صالح اور پختہ ایمان اور دین میں پختگی کی کوئی مثال نہیں ملتی اور یہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھا، جس نے یہ فیصلہ کیا کہ آپؐ کے بعد کسی نبی کے آنے کی ضرورت نہیں، اور آپؐ کی صحبت اور رہنمائی حاصل کرنے والوں کی جماعت کو ایسے صفات اور کردار کا بنادیا کہ وہ نبوت کی صحیح نیابت کرتے ہوئے اس دین کو اور اعلیٰ انسانی صفات کو آگے بڑھائیں، اس کے افراد میں سے ہرایک اپنی جگہ آفتاب و ماہتاب تھا، اور آپؐ نے ان کے بارے میں تصدیق بھی کی، فرمایا: ”میرے اصحاب ستاروں کی طرح ہیں، ان میں سے جس کی اتباع کروگے ہدایت پر رہوگے“۔

آپؐ سے جو جتنا زیادہ قریب رہا اس کو اتنی زیادہ اولیت حاصل ہوئی، آپؐ سے سب زیادہ قریب حضرت ابوبکر صدیقؓ رہے کہ جن سے آپؐ کی رفاقت اور دوستی نبوت سے پہلے سے تھی، وہ تقریباً آپؐ کے ہم عمر تھے، صرف دو ڈھائی سال چھوٹے تھے، حضورؐ کی وفات کے بعد اس دین اسلام کو قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کی ذمہ داری سب سے پہلے آپ کو ملی اور آپ خلیفہ اول ہوئے، پھر اسی ترتیب سے آپؐ کے بعد تین دیگر خلفاء ہوئے جو آپؐ کے سچے جانشین ہوئے اور خلفائے راشدین کہلائے، ان سب کے ذریعہ خلافت راشدہ یعنی اعلیٰ معیار کی خلافت کا سلسلہ آپؐ کی وفات کے بعد ۳۰ سال تک جاری رہا اور حضورؐ نے وحی کے ذریعہ جو اخلاق وصفات اور زندگی کی مختلف ذمہ داریوں میں جو طریقہ عمل اختیار کیا تھا اور اپنے صحابہ کو اس کی تربیت دی تھی اس کے مطابق اسلامی دستور حیات کو صحابہ کرامؓ کے ذریعہ بے کم وکاست جاری کیا جاتا رہا، جس کے ذریعہ آئندہ کے لیے ایک اعلیٰ نظیر بن گئی اور دین صحیح ...ت روز روشن کی طرح مقرر ہو گیا اور بعد میں آنے والوں کے لیے نمونہ بن گیا۔

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

سالانہ زرتعاون -/250

۲۵ نومبر ۲۰۱۲ء

فی شمارہ =/12₹

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پندرہ روزہ

تعمیرِ حیات

لکھنؤ

جلد نمبر ۵۰ — ۲۵؍نومبر ۲۰۱۲ء مطابق ۱۰؍محرم الحرام ۱۴۳۴ھ — شمارہ نمبر ۲

1.558
181265
جرائد

اس شمارے میں

شعروادب
ابوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ — حضرت سید نفیس الحسینیؒ — ۲

اداریہ
کارزار حیات میں ایک مومن کا کردار — شمس الحق ندوی — ۳

رازِ زندگی
محفوظ راستہ — حضرت مجدد الف ثانیؒ — ۵

حکمت الٰہی
خلفائے اربعہ اور حضرات حسنینؓ — حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ — ۸

دل دردمند
ذاتی مفاد پر ملی مفاد کو ترجیح — حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی — ۱۳

اسلامی سال
ہجرت کا بنیادی مضمون — مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی — ۱۵

تذکیرواصلاح
حقوق العباد کی ادائیگی — مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی — ۱۷

ماہ رواں
محرم الحرام اور اس کے اعمال — مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی — ۱۸

فقہ و فتاویٰ
سوال و جواب — مفتی محمد ظفر عالم ندوی — ۲۰

آداب وفضائل
یوم عاشوراء۔ فضائل و اعمال — خالد فیصل ندوی — ۲۱

زبان وادب
اہل دل کا کلام — محمد وثیق ندوی — ۲۵

خبرو نظر
عالم اسلام — جاوید اختر ندوی — ۲۹

عبرت انگیز
صرف آٹھ فائدے — ادارہ — ۳۱

زیر سرپرستی
حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی
(ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مولانا مفتی محمد ظہور ندوی
(نائب ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زیر نگرانی
مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی
(ناظر عام ندوۃ العلماء لکھنؤ)

مدیر مسئول
شمس الحق ندوی

نائب مدیر
محمود حسن حسنی ندوی

مجلس مشاورت
● مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی ● مولانا خالد ندوی غازی پوری
● نعیم الرحمن صدیقی ندوی

ترسیل زر اور خط و کتابت کا پتہ
Tameer-e-Hayat
Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-226007
E-mail: nadwa@sancharnet.in, Ph: (0522) 2740406
مضمون نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے

سالانہ زرتعاون -/250	فی شمارہ -/12	ایشیائی، یورپی، افریقی و امریکی ممالک کے لئے 150$

ارسال زر تعمیر حیات کے نام سے ... [illegible] All CBS Payable Multicity Cheques ... [illegible]

آپ کے خریداری نمبر کے پاس اگر کالی لکیر ہے تو سمجھئے کہ آپ کا زرتعاون ختم ہو چکا ہے۔ [illegible] (مینیجر تعمیر حیات)

پرنٹر پبلشر اطہر حسین نے آزاد پرنٹنگ پریس، نظیر آباد، لکھنؤ سے طبع کرا کے دفتر تعمیر حیات مجلس صحافت و نشریات ٹیگور مارگ، بادشاہ باغ لکھنؤ سے شائع کیا۔

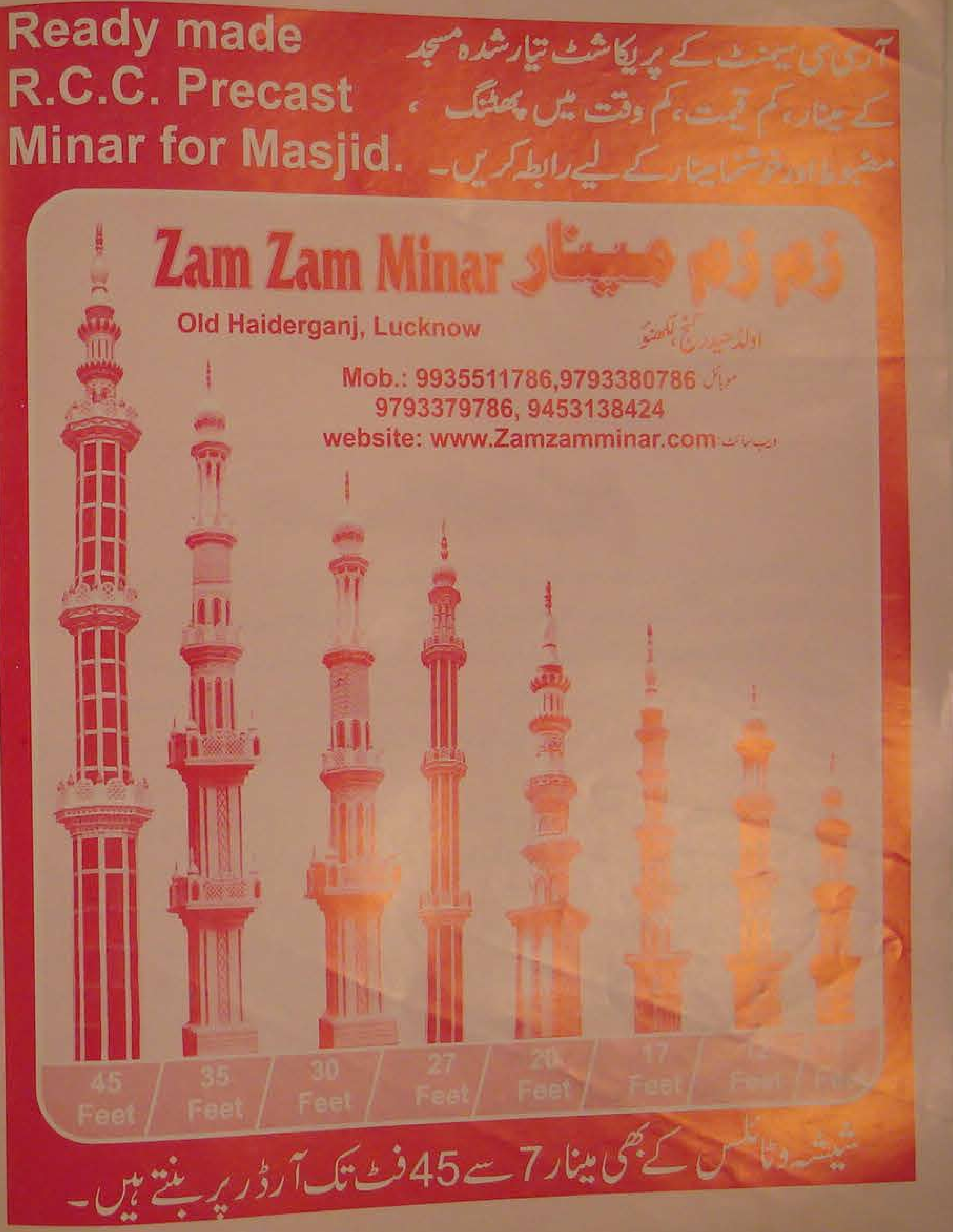

شعروادب

بوبکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ

حضرت سید نفیس الحسینیؒ

اصحاب محمدؐ حق کے ولی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

یاران نبیؐ میں سب سے جلی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

وہ شمع حرم کے پروانے
وہ ختم رسلؐ کے دیوانے

بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

اسلام نے جن کو عزت دی
اسلام کو قوت جن سے ملی

ایماں کی روایت جن سے چلی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

ترتیب خلافت بھی ہے یہی
ترتیب فضیلت بھی ہے یہی

لگتی ہے یہی ترتیب بھلی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

اس نظم کی خوشبو پھیلے گی
یہ خوشبو ہر سو پھیلے گی

گونجے گا یہ نغمہ گلی گلی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

یہ کتبہ حرم کی زینت ہے
یہ لوح و قلم کی زینت ہے

لکھ شاہ نفیس اب اس کو جلی
بوبکرؓ و عمرؓ ، عثمانؓ و علیؓ

اداریہ

کارزارِ حیات میں ایک مومن کا کردار

شمس الحق ندوی

موجودہ غیر معمولی حالات وحوادث صاف بتلا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے اس موجودہ طرز زندگی سے جس میں دعوت کی روح، دین کے لیے جد وجہد، آخرت کی فکر اور ایمانی زندگی کی کیفیات نہ ہوں، ہرگز راضی نہیں، بدلتے ہوئے حالات اور ہواؤں کے رخ بتا رہے ہیں کہ قدرت مسلمانوں کو جھنجھوڑ رہی ہے اور مختلف قسم کے اشارات اور خطرے کی علامات ان کی تنبیہ وعبرت کا سامان فراہم کر رہے ہیں اور خطرے کا سائرن بجا رہے ہیں کہ اگر تم اپنا کھویا ہوا مقام پھر سے نہیں حاصل کرتے اور دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ بہنے والے دھارے سے اپنے کو الگ نہیں کرتے، اپنی کھوئی ہوئی قدروں کو پھر سے زندہ وجاوید نہیں بناتے تو دنیا کی کوئی طاقت تمہاری حفاظت نہیں کر سکتی، اپنے منصب ومقام سے نیچے اتر کر دوسری قوموں کی صف میں کھڑے ہو کر نہ فرض منصبی ادا کر سکتے ہو اور نہ ہی اپنے تشخص وامتیاز کو باقی رکھ سکتے ہو۔

مسلمانوں کی عام آبادی کا طرز زندگی دنیاوی انہماک اور خود فراموشی سخت تشویش ناک ہے، زندگی کا یہ طرز کہ سوائے مادی ضروریات کی تکمیل اور اپنی شکم پری اور اپنے بچوں کی پرورش یا حصول جاہ ودولت کے زندگی کا کوئی بلند مقصد نہ ہو اور زندگی ایمان واحتساب سے یکسر خالی، اور اعلاء کلمۃ اللہ کے جذبہ سے عاری ہو، اس میں دینی شعائر واحکامات پر عمل پیرا ہونے اور خدا سے اپنا تعلق استوار کرنے کا کوئی احساس وشعور نہ ہو، اس کو اپنے اندر ایمان کی حلاوت وچاشنی پیدا کرنے کا شوق وولولہ نہ ہو، اپنے بچوں کی اسلامی تعلیم وتربیت کی کوئی فکر نہ ہو، مسلمان بستیوں میں فقط اذان ہوتی ہو لیکن مسجدیں نمازیوں سے خالی رہتی ہوں، اخوت اسلامی اور خیر کے کاموں میں تعاون کی روح مردہ ہو چکی ہو، غرض یہ کہ جس مقصد کے لیے مسلمانوں کی بعثت ہوئی ہے: ﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ﴾ [آل عمران/۱۱۰] (مومنو! جتنی امتیں (یعنی قومیں) لوگوں میں پیدا ہوئیں تم ان سب سے بہتر ہو کہ نیک کام کرنے کو کہتے ہو اور برے کاموں سے روکتے ہو) اس کو امت کا بڑا طبقہ فراموش کر چکا ہو بلکہ اس کا خوش حال اور روشن خیال طبقہ امت کی اس ذمہ داری اور مقصد کا مذاق اڑاتا ہو، الا ماشاء اللہ تو پھر امت مسلمہ کی حفاظت کی کوئی ضمانت نہیں، مسلم قوم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا معاملہ دیگر اقوام عالم سے بالکل مختلف ہے، ان کی معمولی چوک اور تساہلی پر تنبیہ ہوتی ہے چہ جائیکہ یہ امت غفلت ہی کو اپنا شعار بنالے، اور جب مال اور دنیا کی حد سے بڑھی ہوئی طلب ومحبت میں دیگر اقوام عالم کی شریک وسہیم بن جائے۔

غزوۂ حنین میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں صرف اس تصور وخیال پر تنبیہ ہوئی تھی اور مسلمان شکست کھا گئے تھے کہ اس وقت ہم بہت بڑی تعداد میں ہیں، ہم بڑی آسانی کے ساتھ اپنے دشمن کو شکست دے سکتے ہیں، ہم نے تو ان پر اس وقت فتح حاصل کی تھی جب ہم بہت تھوڑے سے تھے۔

مسجدوں کا مسلمان نمازیوں سے خالی ہونا اور سینما ہالوں کا ان سے رونق پانا، مسلمانوں کے خوش حال طبقہ کا اپنے پڑوسی فقراء ومساکین، یتیموں اور بیواؤں، بلکہ عزیزوں اور قرابت داروں کے فقر وفاقہ اور اضطرار واضطراب سے متاثر نہ ہونا اور صرف اپنے ذاتی معاملات اور اپنی دلچسپی کے دائرہ میں دولت کا بے دریغ خرچ اور روپیہ کا پانی کی طرح بہانا خدا کے غضب کو بھڑکانے والا طرز عمل ہے اور اسی طرز عمل کے نتیجہ میں وہ واقعات پیش آتے ہیں جن کو سن کر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اور جن سے جنگل کے درندے اور بھیڑیئے بھی شرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر دعوت کا فریضہ عائد کیا ہے، لہٰذا مسلمان جب بھی اپنے اس فرض سے غفلت برتیں گے اور اپنے اصل مقام سے نیچے اتریں گے، اور دنیا طلبی اور خود غرضی کو اپنا پیشہ بنائیں گے تو لازماً نظام عالم درہم برہم ہو جائیگا اور وہ کچھ ہوگا جو قیاس وگمان میں آنے والا نہیں، بے شک اللہ تعالیٰ نے اس امت کی نصرت ومدد کا وعدہ فرمایا ہے اور اللہ کا وعدہ یقیناً حق ہے، مگر پختہ یقین اور یقین کامل اس کی اولین شرط ہے۔

﴿وَلَا تَهِنُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِيْنَ﴾ [آل عمران/۱۳۹] (اور دیکھو بے دل نہ ہونا اور نہ کسی طرح کا غم کرنا اگر تم مومن (صادق) ہو تو تم ہی غالب رہوگے)۔ نیز فرمایا گیا ہے:

﴿نَحْنُ أَوْلِيَاؤُكُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَفِي الْآخِرَةِ﴾ (ہم دنیا کی زندگی میں بھی تمہارے دوست تھے اور آخرت میں بھی تمہارے رفیق ہیں)۔

جس کا ناصر و مددگار خود خالق کائنات ہو، کیا کوئی اس کا بال بیکا کر سکتا ہے؟ یاد کیجیے! سامنے سمندر ہے، پیچھے فرعون اور اس کا لشکر، بنی اسرائیل چکی کے ان دوپاٹوں کے درمیان ہیں، اس عالم کائنات میں جو نظام جاری ہے، اس کی رو سے کوئی کہہ سکتا ہے کہ بنی اسرائیل اس خطرہ سے بچ کر نکل سکیں گے مگر ہوا کیا؟ موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کے اضطراب و پریشانی کو دیکھ کر ایمان واعتماد کے لہجہ میں فرمایا:

﴿كَلَّا اِنَّ مَعِیَ رَبِّیْ سَیَهْدِیْنِ﴾ (تم ہلاک ہو جاؤ گے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کیونکہ میرے ساتھ میرا خدا ہے، مجھے راستہ دے گا)۔

بنی اسرائیل دریا پار ہوتے ہیں، اور فرعون مع اپنے لشکر کے غرق دریا ہو جاتا ہے۔

اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم غار ثور میں ہیں، کفار قریش آپ کی تلاش میں غار کے دہانے پر آجاتے ہیں، حضرت ابوبکرؓ پریشان ہیں کہ اگر کسی نے بھی اپنے قدم سے نیچے دیکھا تو ہم پکڑے جائیں گے، اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جاں نثار کی گھبراہٹ دیکھ کر فرمایا:

﴿مَا ظَنُّكَ بِاثْنَیْنِ اللّٰهُ ثَالِثُهُمَا﴾ (ابوبکر! ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کا تیسرا ساتھی خدا ہے)۔

مسلمانوں کے کرنے کا سب سے پہلا کام یہ ہے کہ وہ اپنا جائزہ لے کر دیکھیں کہ کن روگوں اور بیماریوں کے باعث وہ موجودہ حالت کو پہونچے ہیں، اور اس جائزہ کے بعد اپنی اصلاح کی کوشش اور انابت و رجوع کی کیفیت پیدا کریں، اللہ تعالیٰ سے دوبارہ اپنے تعلق کو مستحکم و مضبوط کریں۔

کیا دنیا کی کوئی عقل یہ تسلیم کر سکتی ہے کہ کسی جانور کا لقمہ بن جانے اور اس کے معدہ میں اتر جانے کے بعد بھی کوئی زندہ رہ سکتا ہے؟ مگر اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع وانابت کی کیفیت نے یہ بھی کر دکھایا۔ حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کا لقمہ بن جاتے ہیں اور یہ تنبیہ خداوندی تھی، پھر جب ان کو اپنی لغزش کا احساس ہوتا ہے اور متوجہ الی اللہ ہو کر عرض کرتے ہیں: ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ سُبْحٰنَكَ اِنِّیْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ﴾ (تیرے سوا کوئی معبود نہیں تو پاک ہے اور بے شک میں قصوروار ہوں)۔ جوں ہی رجوع وانابت کی یہ کیفیت پیدا ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بندہ اللہ کو پکارتا ہے، خدا کی مدد آموجود ہوتی ہے، آپ مچھلی کے پیٹ سے آزاد ہو کر صحیح و سلامت دوبارہ زمین پر آجاتے ہیں۔

مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن خود ان کے گناہ ہیں، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے اپنے سپہ سالار منصور بن غالب کو محاذ جنگ پر روانہ کرتے ہوئے یہ نصیحت فرمائی تھی:

"تم کو خواہ کیسے ہی حالات سے دوچار ہونا پڑے، ہر حال میں خدا کا خوف ولحاظ رکھنا کہ تقویٰ بہترین سامان اور بہت کارگر چال ہے، خوف خدا سے بڑھ کر کوئی طاقت نہیں، دشمن سے زیادہ اس بات سے ڈرو کہ خود سے یا تمہارے فوجیوں سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے، گناہ دشمن سے بھی زیادہ ڈرنے کی چیز ہے، دشمنوں کے مقابلہ میں ہماری مدد اس لیے ہوتی ہے کہ وہ گنہگار ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہم ان کے مقابلہ میں ٹک نہیں سکتے تھے، اس لیے کہ نہ ہماری تعداد اتنی بڑی ہے اور نہ تیاری ہی ان کی جیسی ہے، اگر ہم گناہ میں اپنے دشمن کے برابر ہو گئے تو مادی طاقت میں وہ ہم سے بہت فائق ہیں، اطاعت شعاری اور گناہوں سے پرہیز کی بنا پر نصرت خداوندی کا استحقاق نہ حاصل ہوا تو اپنی طاقت سے ہم ان پر کبھی غالب نہیں آسکتے تم لوگوں کی عداوت سے زیادہ اپنے گناہوں سے ڈرو، اپنی قدرت و طاقت سے زیادہ اپنے گناہوں سے بچنے اور حفاظت کا اہتمام کرو، تم یہ ہرگز نہ سوچو کہ ہمارا دشمن ہم سے برا اور خدا کا باغی ہے، اس لیے اس کو ہم پر تسلط وغلبہ نہیں ہو سکتا چاہے ہم گناہ کریں، بہت سی قوموں پر انکے گناہوں کے سبب ان پر بدترین لوگ مسلط کر دیے گئے، تم جس طرح دشمن کے مقابلہ میں خدا سے مدد طلب کرتے ہو، اپنے نفس کے مقابلے میں بھی خدا کی مدد کے طالب بنو"۔

ایک مرتبہ بابر اپنے وطن سے دور بیس ہزار فوج کے ساتھ محصور تھا، رسد اور مزید کمک پہونچنے کا کوئی امکان نہ تھا، اور دشمن کے دو لاکھ لشکر جرار سے مقابلہ تھا، اس وقت بابر نے توبہ واستغفار کیا، شراب نوشی اور دیگر تمام منکرات وخلاف شرع باتوں سے خالصۃً لوجہ اللہ توبہ کی اور دعاء ومناجات کے بعد میدان جنگ میں اترا اور فتح مبین حاصل ہوئی۔

اپنے ان خیالات کے اظہار میں ہم قارئین کرام کو ترک اسباب اور ظاہری وسائل وذرائع سے آنکھ بند کرنے کی دعوت نہیں دیتے، بلکہ پورے یقین واعتماد کے ساتھ یہ کہنا چاہتے ہیں اور تاریخ اسلام اس کی شاہد ہے کہ احکام خداوندی کی پابندی، اس کی طرف رجوع وانابت کو اولیت حاصل ہے اور ان سے غفلت برتنے کے بعد اسباب وقوت بے فائدہ اور بے معنی ہیں، فهل من مدکر۔

☆☆☆☆☆☆

راز زندگی

محفوظ راستہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ

اے فرزند!

دنیا آزمائش وابتلا کی جگہ ہے، اس کے ظاہر کو طرح طرح کی ملمع کاریوں سے مزین کیا گیا ہے، خیالی ووہمی خال وخط اور زلف وخد سے آراستہ ہے، دیکھنے میں شیریں اور تروتازہ، لیکن حقیقت میں یہ دنیا ایک مردار ہے، عطر لگایا ہوا گندگیوں کا ایک ڈھیر ہے، مکھیوں اور کیڑوں سے بھرا ہوا ایک سراب ہے، آب نما اور ایک مٹھاس ہے زہریلی، اس کا باطن ظاہر کے برعکس خراب وابتر ہے، اور مزا یہ ہے کہ ان گندگیوں کے باوجود اس کا معاملہ اپنے چاہنے والوں کے ساتھ نہایت برا ہے، اس کا فریفتہ، دیوانہ ومسحور ہے اور اس کا گرفتار، فریب خوردہ ومجنون، جو بھی اس کے ظاہر پر ریجھا نقصان ابدی اس کے پلے پڑا، اور جو بھی اس کی حلاوت و طراوت پر مائل ہوا ندامت سرمدی [دائمی ندامت] اس کے حصے میں آئی، سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: دنیا اور آخرت سوکنیں ہیں، اگر ایک راضی ہوئی تو دوسری ناخوش، لہٰذا جس نے دنیا کو راضی کیا آخرت اس سے ناراض ہوئی، آخرت میں اس کا کوئی حصہ نہیں، اللہ ہمیں اور تمہیں دنیا اور دنیا داروں سے پناہ میں رکھے۔ آمین!

اے فرزند!

اللہ تعالیٰ نے کمال مہربانی سے تجھے ابتدائے جوانی میں توبہ کی توفیق عنایت کی تھی، مجھے معلوم نہیں کہ نفس وشیطان کے قبضے سے چھٹکارا پاکر تجھے توبہ پر ثبات وقرار میسر ہوا یا نہیں، بظاہر تو استقامت مشکل نظر آتی ہے، کیونکہ موسم عنفوان جوانی کا ہے، دنیا کے اسباب میسر ہیں اور نامناسب دوستوں، ہم نشینوں کی کثرت ہے، کام یہ ہے کہ فضول مباحات سے بچا جائے اور بقدر ضرورت پر اکتفا کی جائے، اور مباحات کا بقدر ضرورت استعمال بھی جمعیت خاطر کی نیت سے ہونا چاہیے تاکہ وظائف بندگی ادا کرنے میں تشویش پیدا نہ ہو، مثلاً کھانے کی غرض یہ ہے کہ ادائے طاعات پر قوت وقدرت نصیب ہو اور لباس کا مقصد یہ ہے کہ اس سے جسم ڈھانپنے اور سردی گرمی دفع کرنے کا کام لیا جائے، اسی قیاس پر تمام ضروری مباحات کو سمجھنا چاہیے، اکابر نقشبندیہ قدس سرہم نے عزیمت کا عمل اختیار کیا ہے اور حتی الامکان رخصت سے اجتناب کرتے رہے ہیں، عزیمتوں میں ایک عزیمت یہ بھی ہے کہ بقدر ضرورت پر اکتفا کیا جائے اور اگر یہ دولت میسر نہ ہو تو مباحات کے دائرے سے نکل کر مشتبہ اور حرام چیزوں کی طرف ہرگز نہ جانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے کمال کرم سے مباحات اور نعمتوں کا دائرہ خود ہی بہت وسیع کر دیا ہے، ان نعمتوں سے قطع نظر کون سا عیش اس بات کے برابر ہے کہ بندے کا مولیٰ اس کے کردار سے راضی ہو اور کون سی جفا اس بات کے برابر ہوگی کہ اس کا آقا اس کے اعمال سے ناراض ہو، جنت میں اللہ کی رضا جنت سے بہتر ہے اور دوزخ میں اللہ کی ناراضی دوزخ سے بدتر ہے، اللہ نے انسان کو اپنا بیٹا نہیں بنایا اور نہ اس کو پوری چھوٹ دے دی ہے کہ جو چاہے کرے، سوچنا چاہیے اور اپنی عقل دور اندیش کو کام میں لانا چاہیے، کل قیامت میں ندامت ونقصان کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا، کام کا وقت موسم جوانی ہے، جواں مرد وہ ہے جو اس کو ہاتھ سے نہ جانے دے اور فرصت کو غنیمت سمجھے، یہ بالکل ممکن ہے کہ بڑھاپے تک اسے زندگی ہی نہ ملے اور اگر بالفرض بڑھاپے تک پہنچ گیا تو اطمینان میسر نہ ہوا اور اگر یہ بھی ہو تو ضعف اور سستی کی وجہ سے کام نہ کر سکے۔

اس وقت اسباب اطمینان میسر ہیں، والدین کا وجود بھی اللہ کے انعامات میں سے ہے کہ اس نوجوان کی معیشت کی فکر بھی انہیں کے سر ہے، موسم فرصت ہے اور زمانہ قوت واستطاعت، پھر کس عذر کی بناء پر آج کو کل پر ٹالا جائے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ ادائے طاعات میں تاخیر کرنے والے اور "عنقریب کروں گا، عنقریب

یہ مسئلے اور نصیحتیں تمہیں پہلے سے معلوم ہوں گی، لیکن مقصود عمل ہے نہ کہ صرف علم، جو بیمار اپنے مرض کی دوا جانتا ہے وہ جب تک اسے استعمال نہ کرے صحت یاب نہیں ہو سکتا، یہ مبالغہ وتاکید بھی عمل ہی کے لیے ہے، ورنہ عالم بے عمل کے بارے میں تو یہ حدیث آئی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "قیامت میں سخت ترین عذاب اس عالم پر ہوگا جس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا"۔

کروں گا" کہنے والے ہلاک ہوئے، ہاں، اگر مہمات و معاملات دنیا کو کل پر چھوڑ دیں اور آج کو اعمال آخرت میں مشغول رکھیں، تو کیا کہنا!

عنفوان جوانی کے اس زمانے میں کہ دشمنان دین، نفس و شیطان کا غلبہ ہے، تھوڑے عمل کا بھی اتنا اعتبار ہے کہ ان کا غلبہ نہ ہونے کی صورت میں اس سے ۱۰ گنا عمل کا بھی نہیں، فوجی قواعد میں بھی دشمنوں کے حملے و غلبے کے وقت کارگزار سپاہیوں کی بڑی قدر ہے اور اس وقت ان کی تھوڑی دوڑ دھوپ اور کارگزاری بھی لائق اعتبار و نمایاں ہوتی ہے۔

اے فرزند!

انسان جو موجودات کا خلاصہ ہے، اس کی تخلیق کا مقصد نہ لہو و لعب ہے اور نہ کھانا اور سونا، بلکہ اس کی تخلیق کا مقصد اللہ کی بندگی، تواضع و انکسار، عجز و فقر اور بارگاہ قدس میں ہمیشہ التجا و تضرع ہے، اللہ کی بندگی و عبادت سے مراد وہ عبادتیں ہیں جن کی تعلیم شریعت محمدیؐ نے دی ہے، ان عبادتوں کی منفعتیں اور مصلحتیں خود بندوں کو حاصل ہوتی ہیں، ان سے خدا کو کوئی فائدہ نہیں پہنچتا، اس لیے اوامر کی تعمیل اور نواہی سے پرہیز، دل و جان سے جذبۂ احسان مندی اور کامل اطاعت و انقیاد کے ساتھ ہونا چاہیے اور اپنی پوری سعی صرف کر دینی چاہیے، اللہ تعالیٰ نے اپنے مکمل استغنا کے باوجود صرف ہمارے فائدے کے لیے ہمیں اوامر نواہی سے سرفراز فرمایا، ہم محتاجوں کو تو اس نعمت کا شکریہ پورے طور پر ادا کرنا چاہیے۔

اے فرزند!

تم جانتے ہو کہ اگر دنیا کا کوئی زبردست اپنے کسی زیردست کو کسی خدمت پر سرفراز کرتا ہے تو اس حقیقت کے باوجود کہ اس خدمت کا نفع اس حاکم کو بھی ملنے والا ہے، وہ زیردست اس کے حکم کو کس قدر عزیز رکھتا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ ایک عظیم القدر شخص نے یہ خدمت اس کے سپرد کی ہے، اس لیے کامل احسان مندی کے ساتھ اس کو بجالانا چاہیے، کیا مصیبت ہے کہ انسان کو رب ذوالجلال کی عظمت، اس شخص کی عظمت سے بھی کم نظر آتی ہے کہ اس کے احکام کی بجا آوری میں کوشش نہیں کرتا، شرم کرنی چاہیے اور اپنے کو خواب خرگوش سے بیدار کرنا چاہیے، احکام الٰہی کی نافرمانی دو چیز سے خالی نہیں، یا شریعت کی خبروں کو جھوٹ سمجھتا ہے اور باور نہیں کرتا، یا دنیا والوں کی عظمت کے مقابلے میں اللہ کی عظمت حقیر نظر آتی ہے، اس بات کی شناعت اور خرابی پر اچھی طرح غور کرنا چاہیے۔

اے فرزند!

ایک ایسا شخص جس کی کذب بیانی کا بارہا تجربہ ہو چکا ہے، کہتا ہے کہ دشمنوں کی مسلح فوج فلاں قوم پر شب خون مارنے والی ہے، یہ سنتے ہی اس قوم کے عقل مند اپنی محافظت میں لگ جاتے ہیں اور اس بلا کو دفع کرنے کی فکر کرتے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ خبر دینے والا جھوٹ بولنے کا عادی ہے، مگر ان کی دلیل یہ ہوتی ہے کہ جہاں خطرے کا وہم بھی ہو وہاں عقل مندوں پر احتراز لازم ہے، لیکن مخبر صادق علیہ الصلوٰۃ والسلام نے پوری تاکید کے ساتھ عذاب اخروی سے خبردار کیا ہے، اس کے باوجود کچھ بھی متاثر نہیں ہوتے اور ہوتے بھی ہیں تو اس کو دفع کرنے کی فکر نہیں کرتے، حالانکہ اس کو دفع کرنے کی تدبیر بھی مخبر صادق سے معلوم ہو چکی ہے، پس یہ کیسا ایمان ہے کہ سچے کی خبر جھوٹے کی خبر کے برابر بھی اعتبار نہیں رکھتی!

یقین حاصل کرنا چاہیے کہ صرف صورت اسلام نجات بخش نہیں، یقین کہاں ہے، ظن بھی نہیں، بلکہ وہم بھی نہیں ہے، کیونکہ عقل مند خطرے کے موقع پر وہم کا بھی اعتبار کرتے ہیں، اسی طرح اللہ نے کلام مجید میں فرمایا ہے: ﴿وَاللّٰهُ بَصِيْرٌ بِمَا يَعْمَلُوْنَ﴾ [البقرۃ:۲/۹۶] (اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔ اس کے باوجود لوگ برے اعمال میں مشغول ہیں، اگر ان کو معلوم ہو کہ کوئی حقیر شخص بھی ان کے اعمال کو دیکھ رہا ہے تو یہ ہرگز عمل شنیع اس کی نظر کے سامنے نہیں کرتے، اس کا سبب دو امر سے خالی نہیں، اللہ کی خبر کو باور نہیں کرتے، یا اللہ کی اطلاع کا اعتبار نہیں کرتے، اس قسم کا کردار ایمان کی علامت ہے یا کفر کی نشانی؟

اے فرزند!

تم پر لازم ہے کہ از سر نو تجدید ایمان کرو، نبی علیہ السلام نے فرمایا ہے: کلمہ لا الہ الا اللہ کے ذریعے اپنے ایمان کی تجدید کرتے رہو، نامرضیات حق سے توبۂ نصوح کا از سر نو اعادہ کرو، جن امور کو حرام قرار دیا گیا ہے، اور ان سے نہی فرمائی گئی ہے، ان سے محترز و مجتنب رہو، پنج وقتہ نماز با جماعت ادا کرو، اگر قیام لیل تہجد میسر ہو تو زہے سعادت! مال کی زکوٰۃ دینا بھی ارکان اسلام میں سے ہے، اسے ضرور ادا کرو، زکوٰۃ ادا کرنے کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنے مال میں سے جو کچھ فقراء کا حق ہے، ہر سال زکوٰۃ کی نیت سے الگ محفوظ کر دے اور پورے سال اس کو مصارف زکوٰۃ میں صرف کرتا رہے، اس طرح ہر مرتبہ ادائے زکوٰۃ کی نیت ضروری و لازم نہ رہے گی، یعنی ایک ہی دفعہ زکوٰۃ کی نیت

کر کے اس کو علیحدہ کرنا کافی ہوگا۔ (تمام فرائض کی طرح زکوٰۃ کی ادائیگی کا بھی اصل طریقہ یہی ہے کہ اس کو اجتماعی طور پر ادا کیا جائے۔ لیکن جہاں کہیں اجتماعی نظم موجود نہ ہو، وہاں انفرادی طور پر ادا کرنے سے بھی زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے)۔

اسی طرح تمام عبادتوں میں خیال رکھو، کسی عبادت کی ادائیگی میں اپنے نفس کو ڈھیل نہ دو، بندوں کے حقوق ادا کرنے میں بھی سعی بلیغ کرو تاکہ کسی کا حق تمہارے ذمے باقی نہ رہ جائے، یہاں دنیا میں ان کا ادا کرنا آسان ہے، کل قیامت میں یہ آسانی باقی نہ رہے گی، وہاں کی جواب دہی مشکل اور ناقابل علاج ہے، احکام شرعیہ علمائے آخرت سے پوچھنے چاہئیں، ان کی باتوں میں تاثیر ہی دوسری ہے، ممکن ہے کہ ان کے کلام کی برکت توفیق عمل دے دے، علمائے دنیا سے جنہوں نے علم کو مال اور جاہ و مرتبے کے حصول کا ذریعہ وسیلہ بنا لیا ہے، دور رہنا چاہیے، ہاں جہاں متقی علماء موجود نہ ہوں، وہاں بقدر ضرورت ان سے مسئلہ دریافت کر سکتے ہو۔

اے فرزند!

یہ مسئلے اور نصیحتیں تمہیں پہلے سے معلوم ہوں گی، لیکن مقصود عمل ہے نہ کہ صرف علم، جو بیمار اپنے مرض کی دوا جانتا ہے وہ جب تک اسے استعمال نہ کرے صحت یاب نہیں ہو سکتا، یہ مبالغہ و تاکید بھی عمل ہی کے لیے ہے، ورنہ عالم بے عمل کے بارے میں تو یہ حدیث آئی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قیامت میں سخت ترین عذاب اس عالم پر ہوگا جس نے علم کے مطابق عمل نہیں کیا"۔

[مکتوبات امام ربانی، جلد نمبر ۷۳]

☆☆☆☆☆

مولانا مظفر الحق ندوی کی وفات، ندوہ میں تعزیتی جلسہ

دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قدیم فرزندوں میں سے ایک اور ندوۃ العلماء کی مجلس انتظامیہ و مجلس نظامت کے رکن رکین مولانا مظفر الحق ندوی اپنے وطن کانپور میں ۲۲/ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۸/نومبر ۲۰۱۲ء جمعرات کو انتقال فرما گئے، ان کی عمر ۷۵ سال تھی، اشرف آباد جاجمئو کی جامع مسجد کے قبرستان میں سپرد خاک ہوئے اور نماز جنازہ ان کے استاد و مربی ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے پڑھائی، وہ جناب عین الحق مرحوم کے بڑے فرزند تھے، والد کی طرح ان کا بھی اچھا کاروبار تھا اور ندوۃ العلماء کے اچھے معاون تھے، دینی کاموں کو تقویت پہونچانے کا جذبہ اور حوصلہ رکھتے تھے اور خاص طور پر غیر مسلموں میں تعارف اسلام اور دعوتی کام سے دلچسپی رکھتے تھے اور اس میں تقویت کا باعث بنتے تھے، نیک سیرت انسان تھے، ان کے ایک بھائی اور ایک فرزند ابھی تازہ تازہ حج بیت اللہ سے واپس ہوئے تھے اس کی مسرت انہوں نے حاصل کی اور پھر پیام اجل آپہونچا، انا للہ وانا الیہ راجعون

اس سلسلہ میں زیر صدارت ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دفتر معتمد تعلیم میں ایک تعزیتی جلسہ ہوا، صدر محترم نے مولانا کے انتقال پر اپنے گہرے رنج و غم کا اظہار کیا اور دینی، ملی اور تعلیمی میدان میں ان کی خدمات کو سراہا۔ حضرت مولانا نے اپنی تعزیتی گفتگو میں مرحوم کی خدمات اور خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ مرحوم ندوۃ العلماء کے سعادت مند فرزند تھے، ۱۹۶۱ء میں ندوہ سے فراغت کے بعد دو سال جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں گزارے، اس کے بعد والد محترم کے مشورہ سے وطن واپس آئے اور ان کے خاندانی کاروبار میں شریک ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ دعوتی، ملی اور تعلیمی کاموں میں بھی شریک رہے، حلیم مسلم انٹر کالج کانپور کے منیجر مقرر ہوئے۔ مرحوم ملی، دینی اور تعلیمی کاموں سے دلچسپی لیتے تھے، بڑے ملنسار، متواضع اور خاموش طبیعت کے حامل تھے، شہرت سے ہمیشہ دور رہے، ان کو تعلیمی معاملات کا بڑا تجربہ تھا، ندوۃ العلماء کی مجلس شوریٰ اور مجلس نظامت دونوں کے رکن تھے، اور اس کے سالانہ جلسوں میں پابندی سے شریک ہوتے تھے، پر عزیمت زندگی گزاری اور اس راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں کا صبر و استقامت سے مقابلہ کیا، اپنی ان خوبیوں کی وجہ سے ہر دل عزیز تھے، اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ سے گہرا تعلق رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ ان کی نیکیوں کا اور ان کی دینی و ملی خدمات کا بہترین صلہ عطا فرمائے۔

معتمد تعلیم ندوۃ العلماء مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نے مولانا کی وفات کو ملت اسلامیہ کے لیے خسارہ قرار دیا، اور کہا کہ مرحوم سے کئی حالتوں میں میرا رابطہ ہوا، مرحوم کی زندگی کے تین حصے تھے، ایک حصہ کاروبار کے لیے، دوسرا حصہ میدان تعلیم کے لیے، مرحوم کو دینی نظام تعلیم اور عصری نظام تعلیم دونوں کا تجربہ تھا، ندوہ کی تعلیمی کمیٹی کے رکن تھے دوسری طرف حلیم مسلم انٹر کالج کانپور کے منیجر تھے، اس طرح مرحوم کو دونوں نظام تعلیم سے واقفیت تھی، اور ان کی زندگی کا تیسرا حصہ دعوتی کام کے لیے تھا جس کے دو پہلو تھے، ایک تو خود دعوتی کام انجام دینا دوسرے دعوتی کام کرنے والوں سے رابطہ رکھنا، خصوصاً تنزانیہ میں مقیم اپنے رفیق درس قاضی سراج الرحمن ندویؒ اور ترکی کے یوسف کراجا صاحب سے بڑا گہرا ربط تھا، جب دونوں حضرات ہندوستان آتے، مرحوم ان سے ملاقات کرتے اور دعوتی کاز کے سلسلہ میں مشورہ کرتے، اس طرح مرحوم کی زندگی میں بڑا تنوع تھا، کاروبار، تعلیم اور دعوت تینوں شعبوں کو تناسب کے ساتھ جمع کر لیا تھا، مرحوم کی ایک اور ممتاز صفت آزمائشوں میں صبر و استقامت تھی، مرحوم کو متعدد آزمائشوں سے گزرنا پڑا اور خاندانی حالات میں سخت مرحلہ سے گزرے لیکن کبھی کسی سے شکوہ نہیں کیا، مرحوم کی یہ ایسی صفات ہیں جن کی تقلید کی جا سکتی ہے۔

نائب ناظم ندوۃ العلماء مولانا مفتی محمد ظہور ندوی نے اپنے دلی افسوس کا اظہار کرتے ہوئے ندوہ اور اہل ندوہ سے مرحوم کے تعلق پر روشنی ڈالی۔ مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابہا نے بھی اپنے گہرے روابط کا تذکرہ کیا اور ان کی اصلاحی اور دینی خدمات کو سراہا اور کہا کہ مرحوم کو دینی و ملی اور دعوتی و تعلیمی کاموں کی بڑی فکر رہتی تھی، مرحوم بڑے شریف النفس، متواضع، اور خاموش طبیعت کے حامل تھے، اور دعوتی کام سے بڑا تعلق تھا۔

مولانا محمد خالد غازیپوری ندوی نگران اعلیٰ طلبائے دار العلوم نے مرحوم کا ندوہ اور یہاں کے طلبہ کی تعلیمی اور ثقافتی سرگرمیوں سے دلچسپی کا تذکرہ کیا۔ جلسہ میں مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی ناظر عام ندوۃ العلماء، مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی، مولانا عبد القادر پٹنی ندوی نائبین مہتمم دار العلوم، مولانا ابو البقاء ندوی معاون ناظر شعبہ تعمیر و ترقی اور دیگر حضرات بھی شریک ہوئے، تعزیتی جلسہ کا اختتام حضرت ناظم ندوۃ العلماء کی دعا پر ہوا۔

☆☆☆

حکمت الٰہی

آخری قسط

خلفائے اربعہ اور حضرات حسنین رضؓ

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ

اب دوسرے نمبر پر ضرورت تھی کہ دین تو محفوظ رہ گیا لیکن حاملین دین بھی محفوظ رہیں، اور جو داعیانِ اول ہیں، اور اس کے نمونہ اکمل ہیں، اور جو اس کے عملی پیکر اور اس کا مظہر کامل ہیں، ان کا مزاج بدلنے نہ پائے، بڑی شاندار تاریخ اور ماضی رکھنے والی، اعلیٰ مقاصد کی حامل، مستحکم سیرت و تربیت کی مالک قوموں اور جماعتوں کا حال یہ ہوا ہے کہ فتوحات حاصل کرنے اور متمدن اور بادسائل ذخائر رکھنے والے ممالک فتح کرلینے کے بعد برف کی طرح گھل اور موم کی طرح پگھل گئیں، اور انہوں نے سارے اصول و معیار سے دست برداری حاصل کرلی۔ [ملاحظہ ہو ایڈورڈ گبن کی مشہور تاریخ "زوال و سقوط روما"]

اس وقت کہ روم اور شام اور ایران فتح ہو رہے ہیں، مصر و شام کی دولت اُمنڈ اُمنڈ کر آرہی ہے، اور بارش کی طرح برس رہی ہے، جن کو آنکھوں نے کبھی دیکھا نہیں تھا، وہ چیزیں ان کے ہاتھوں میں آرہی ہیں، عربوں کا حال یہ تھا کہ جب انہوں نے پہلی مرتبہ کافور دیکھا تو نمک سمجھ کر کھانے میں ڈالنے لگے، یہ عرب تھے، اونٹوں کے چرانے والے، خیموں میں رہنے والے، اونٹ کا گوشت کھانے اور اس کا دودھ پینے والے، ان کو سابقہ پڑا رومن امپائر سے، ساسانیوں کی سیکڑوں سال پُرانی سلطنت سے، جہاں تمدن ارتقاء کے آخری درجہ تک پہونچ گیا تھا، اب خطرہ یہ تھا کہ امت تمدن کے اس سیلاب میں بہہ نہ جائے، اللہ تعالیٰ اس موقعہ پر ایسی ہستی کو سامنے لایا، جو اس وصف میں سب سے زیادہ ممتاز تھی کہا نہیں بالکل نہیں، میرے سامنے عربوں کا، امت اسلامیہ کا، مزاج نہیں بدل سکتا، یہ تمدن کا شکار نہیں ہوسکتے، یہ عیش و عشرت میں نہیں پڑسکتے، انہوں نے عربوں کو بڑی تاکید سے سادگی، جفاکشی، شہسواری، زُہد و قناعت اور اپنی قدیم نسلی سپاہیانہ و متقشفانہ خصوصیات کو قائم رکھنے کی ہدایت و تلقین کی۔

[البغوی بروایت عثمان نہدی]

خود ان کا یہ حال تھا کہ جب آپ جابیہ کی طرف سفر کر رہے تھے، تو اس شان کے ساتھ گئے کہ آپ ایک اونٹ پر بیٹھے ہوئے ہیں، جس پر ایک معمولی کپڑا پڑا ہوا ہے، اگر زمین پر لیٹنا ہو تو وہی ان کا بستر ہے، اور اگر اوڑھنے کی ضرورت پڑے تو وہی ان کی چادر، جسم پر ایک موٹے سوتی کپڑے (کرباس) کا کرتہ تھا، جس پر جگہ جگہ سے نشان پڑ گئے تھے، اور جابجا پھٹا ہوا تھا [سیرت عمر بن الخطاب از ابن جوزی]، بیت المقدس کے سفر میں جہاں آپ کو اس کی چابیاں لینی اور مسلمانوں کی تولیت میں اس کو لینے کا عمل کرنا تھا، راستہ میں پانی پڑا تو کھل کھل کرکے اس کو پار کرلیا، حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے رہا نہ گیا، عرض کیا کہ اے امیر المؤمنین! آپ نے یہاں جو مظاہرہ فرمایا یہ مناسب نہیں تھا، یہ رومی جو بڑے ترقی یافتہ اور تمدن سے آراستہ ہیں، کہیں گے کہ یہ مسلمانوں کے خلیفۂ اعظم ہیں؟ ان کا حال یہ ہے کہ پانی میں اس طرح کھل کھلاتے چلے آرہے ہیں، آپ کسی معزز سواری پر تشریف لائے ہوتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ بات برداشت نہ ہوسکی اور انہوں نے فرمایا:

"أولو غيرك قالها يا أبا عبيدة! انكم كنتم أذل الناس فأعزكم الله بالاسلام فمهما تطلبوا العزة لغيره يذلكم الله".

مذاہب کی تاریخ، وارثین انبیاء کی تاریخ میں ان الفاظ کی مثال نہیں ملتی، انہوں نے کہا کہ اے ابوعبیدہ! تم یہ کہہ رہے ہو؟ اگر کوئی اور یہ کہتا تو ہمیں افسوس نہ ہوتا، دل پر یہ چوٹ نہ لگتی، تم جیسا آدمی یہ کہہ رہا ہے، امین الامت! خدا کی قسم تم (اہل عرب) سے بڑھ کر دنیا میں کوئی ذلیل و حقیر و قلیل نہ تھا، ہم کو اللہ نے اسلام کے ذریعہ عزت دی، اب اسلام کے سوا تم جس راہ سے بھی عزت تلاش کروگے اللہ تم کو ذلیل کرے گا [البدایہ والنہایہ: ۶۰/۷]، پھر جب وہاں پہونچے تو کہنے لگے، ارے تم نے اتنی جلدی اپنا لباس تبدیل کردیا؟ ایسے کپڑے پہنے ہوئے ہو؟ تو حضرت ابوعبیدہؓ اور حضرت عمرو بن العاصؓ نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہ ٹھنڈا ملک ہے، یہاں اس طرح کے کپڑوں کی ضرورت پڑتی ہے، اور دیکھئے ہمارے نیچے وہی کپڑے ہیں، انہوں نے کہا کہ اچھا خیر، اس کے بعد کسی پادری کو کُرتہ دیا کہ پھٹ گیا ہے ذرا اس کو سی دیں، پادری نے ایک دوسرا قیمتی کرتہ اس کے بدلہ دے دیا، آپ نے فرمایا کہ یہ کیا چیز ہے؟ پادری نے کہا کہ حضرت یہ بڑے اچھے کپڑے (کتان) کا بنا ہوا ہے، آپ نے فرمایا کہ نہیں، ہمارا وہی کرتہ لاؤ، چنانچہ وہ کُرتا لایا گیا اور آپ نے اس کو پہنا۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ جب حاکم و محکوم کے درمیان وہ فرق ہوتا تھا جو انسان اور جانور سے بھی زیادہ ہوتا ہے، آپ ہندوستان کو دیکھیے، یہاں جو طبقاتی تفاوت تھا، اور اونچی اور نیچی ذاتوں کے درمیان جو فرق تھا، وہ دیکھیے، منوشاستر پڑھیے، تو آپ کو اس وقت کے حالات کا علم ہوگا۔

لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو عدل الٰہی اور مساوات انسانی کے علمبردار تھے، اور ان کو اس صفت کو قائم بھی رکھنا تھا، اور اللہ کو ان کے ذریعہ اس وصف کو اس وقت تک پہونچانا بھی تھا، ان کی عدل گستری اور مساوات انسانی کا صرف ایک واقعہ میں آپ کو سناتا ہوں۔

ایک مرتبہ مصر میں گھوڑوں کی ریس ہو رہی تھی، حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ جو مصر کے فاتح اور اس کے گورنر ہیں، ان کے صاحبزادہ اس ریس میں شریک تھے، مقابلہ میں ایک قبطی کا گھوڑا ان کے گھوڑے سے جب آگے بڑھنے لگا تو انہوں نے ایک کوڑا گھوڑے پر لگایا، وہ رک گیا، تو انہوں نے اس قبطی پر بھی ایک کوڑا مارا اور کہا کہ میں ایک شریف زادہ ہوں اور تم مجھ سے آگے بڑھنے کی کوشش کرتے ہو؟ قبطی نے اس واقعہ کی شکایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کی حضرت عمر فاروقؓ نے گورنر صاحب کو اور ان کے صاحبزادہ دونوں کو طلب کیا اور فرمایا کہ تم نے کب سے لوگوں کو غلام بنالیا حالانکہ سب اپنی ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوئے تھے، پھر آپ نے اس قبطی کو بلایا اور اس کے ہاتھ میں کوڑا دیا اور حکم دیا کہ اس شریف زادہ گورنر صاحب کے صاحبزادہ کے سر پر ایسا ہی پھیر جیسا کہ انہوں نے تمہارے سر پر پھیرا تھا۔ [الفاروق]

یہ تھیں وہ چیزیں جس کی وجہ سے اسلام میں یہ نظام عدل اور مساوات انسانی اور انسانیت کا احترام اور اس کا شرف اور اس کی عزت باقی رہی۔

اب میں آپ کو بتاتا ہوں کہ تیسرے نمبر پر کس چیز کی ضرورت تھی؟ فتنہ ارتداد ختم ہوچکا تھا، دین میں تحریف کا دروازہ بند ہوچکا تھا، انسانی مساوات اور عدل کا نظام قائم ہوچکا تھا، اب ضرورت تھی کہ یہ اسلامی مملکت (Empire) قائم رہے، یہ قائم رہے گی تو خیر کا دروازہ کھلا رہے گا، کیسی کیسی قومیں حلقہ بگوش اسلام ہوں گی، کیسے کیسے باکمال افراد پیدا ہوں گے، کیسے کیسے عالم ربانی پیدا ہوں گے، کیسے کیسے ائمہ و مجتہدین پیدا ہوں گے، امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ جیسے، کیسے کیسے محدث پیدا ہوں گے، امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ جیسے، کیسے کیسے قانون ساز پیدا ہوں گے، امام ابویوسفؒ اور امام محمدؒ جیسے، کیسے کیسے فاتح پیدا ہوں گے، عقبہ بن نافعؒ اور طارق بن زیادؒ اور محمد بن قاسمؒ جیسے۔

چنانچہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا انتخاب فرمایا، کیونکہ انہیں کے خاندان کے لوگ زیادہ تر ملکوں کے فاتح اور حاکم و منتظم تھے، اور یہ انسانی فطرت ہے کہ جب اہل کارانِ سلطنت کا خونی رشتہ بھی ہوتا ہے، نسبی و وطنی رشتہ بھی ہوتا ہے تو وہ اس کو اپنی چیز سمجھتے ہیں، وہ یہ نہیں سمجھتے کہ ہم محض ملازم ہیں اور جوابدہ ہیں، تو وہ اس وقت اس کے ساتھ خیر خواہی کرتے ہیں، اب یہاں پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ضرورت تھی، چنانچہ وہ آئے اور تاریخ بتاتی ہے کہ کیسی فتوحات ان کے زمانہ میں ہوئیں، آپ کے زمانہ میں قبرص (Cyprus) افریقہ کا ایک بڑا حصہ، آذربائیجان، اصطخر، سابور، شیراز، اصفہان، طبرستان، بجستان، اور نیشاپور فتح ہوئے۔ [تاریخ اسلام از علامہ ذہبی]

خلافت عظمیٰ پر فائز اور وسیع مملکت کے حاکم اور ذاتی طور پر فراخ معیشت اور صاحب املاک ہونے کے باوجود دیکھنے والے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے دیکھا کہ آپ جمعہ کا خطبہ دے رہے ہیں، اور آپ کے جسم پر ایک موٹی چادر ہے جس کی قیمت چار درہم سے زیادہ نہیں۔

ایسا بارہا ہوا کہ باہر کے وفود آئے ان کو لذیذ کھانے کھلائے اور خود گھر جاکر نہایت سادہ غریبانہ کھانا کھایا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جب محاصرہ ہوا تو آپ نے اگرچہ خلافت سے دست برداری منظور نہیں کی کہ وہ نبی کی نیابت تھی اور منشاءِ رسول اور مصالح اسلامی کے مطابق اور اس طرح استقامت و عزیمت کی ایک شاندار نظیر چھوڑی لیکن اپنی سلامتی و حفاظت کے لیے مسلمانوں کے خون کا ایک قطرہ بہانے کی اجازت نہیں دی، شہادت سے ایک روز پہلے آپ کے مکان پر سات سو کے قریب مہاجر و انصار جمع ہوگئے، جن میں متعدد جلیل القدر صحابہ بھی تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ جس پر بھی میرا کوئی حق ہے اس کو قسم دیتا ہوں کہ وہ اپنا ہاتھ روک لے اور اپنے گھر چلا جائے، اپنے غلاموں سے فرمایا، جو تلوار میان میں کرلے وہ آزاد ہے۔ [ابن کثیر: ۱۸۲،۱۸۱/۷]

اسلام کی طرف سے اب بالکل اطمینان ہوچکا تھا، سیاسی، انتظامی اور عسکری طور پر اب کوئی خطرہ باقی نہ تھا، اب ضرورت تھی کہ مسلمان اتنے دنوں تک حکومت کرچکے تھے، اور تمدن کا اثر پڑنا لازمی تھا، اور سیاسی طرزِ فکر کا آنا بھی ضروری تھا کہ آدمی سیاسی اقدار (Political Values) کے ذریعہ سوچے اور فیصلہ کرے کہ اس وقت یہ کرنا مناسب ہے اور یہ کرنا نامناسب، سیاسی مصلحت کا تقاضہ یہ ہے، اور دین کا مطالبہ یہ ہے۔

اب ضرورت تھی کہ خلیفۂ رابع سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو لایا جائے جن کا اصل وصف اور اصل امتیاز یہ تھا کہ سیاسی اصولوں اور سیاسی منافع اور مفادات پر خالص دینی اصولوں کو ترجیح دی جائے، اور اس کو ذرا پرواہ نہ کی جائے کہ خلافت ہاتھ میں رہے گی یا نکل جائے گی، نہیں یہ چیز یہاں کے لیے مناسب نہیں، اس کو بدل دینا چاہیے، یہ کام یہاں نہیں ہونا چاہیے، یہاں تک کہ ان کی نظر اس پر بھی تھی کہ اپنے عُمّال سلطنت کا محاسبہ کرتے تھے، ایک صاحب ایک دعوت میں چلے گئے، ان کے نام

خط ہے کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم ایسی دعوت میں گئے ہو، جہاں غریبوں کو ہٹایا جاتا ہے اور امیروں کو بلایا جاتا ہے، تم نے وہاں کی دعوت میں شرکت کی اور انواع واقسام کے کھانے کھائے! پھر ان کی آخری زندگی کا یہ حال تھا کہ بعض مرتبہ کوئی مہمان آیا اور اس کو خیال تھا کہ آج امیر المؤمنین کے یہاں آئے ہیں، آج تو خوان نعمت لگے گا، طرح طرح کے کھانے رکھے جائیں گے، لمبا چوڑا دسترخوان بچھے گا، لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک تھیلی منگوائی، اس پر مہر لگی ہوئی تھی، آپ نے مہر توڑی اور اس کو کھولا تو اس میں سے ستو نکلا، اس نے کہا کہ اے امیر المؤمنین یہاں تو اس وقت بصرہ اور کوفہ میں لذیذ اور عمدہ کھانوں کی فراوانی ہے، اور آپ ستو کھاتے ہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں یہ میرا خریدا ہوا ہے، اور یہی میرا کھانا ہے، میں نے اس پر مہر لگا رکھی ہے تاکہ اس میں کوئی باہر کی چیز داخل ہونے نہ پائے۔

آپ ہی کا واقعہ ہے کہ ایک زرہ کے معاملہ میں آپ کا عدالت جانا ہوا، آپ کی زرہ ایک یہودی کے ہاتھ لگ گئی تھی، جو کھو گئی تھی، اس کا مقدمہ قاضی کے پاس گیا، اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو ایک فریق کی حیثیت سے عدالت جانا پڑا، آپ اپنے صاحبزادہ حضرت حسنؓ اور ایک غلام کو لے کر عدالت گئے، قاضی صاحب نہ ان کے لیے کھڑے ہوئے اور نہ ان کو اس جگہ بٹھایا جہاں امیر المؤمنین کو بٹھانا چاہیے تھا، اور جب آپ نے گواہ پیش کیے تو قاضی صاحب نے ان کی گواہی قبول کرنے سے انکار کردیا اور کہا کہ ان میں تو ایک آپ کے صاحبزادہ ہیں اور دوسرے آپ کے غلام، لہٰذا ان کی گواہی معتبر نہیں، آپ نے کچھ نہیں کہا، لیکن وہ یہودی اس واقعہ سے اتنا متاثر ہوا کہ وہ اسی وقت مسلمان ہوگیا اور کلمہ پڑھا کہ امیر المؤمنین اس طرح قانون پر چلتے ہیں اور اپنی طاقت اپنی شان اور حیثیت سے بالکل کام نہیں لیتے۔

آپ کے عہد خلافت کی یہ بھی ایک خصوصیت وافادیت تھی کہ آپ نے اس کا نمونہ پیش کیا کہ اندرونی فتنوں، ہم مذہبوں کی مخالفتوں اور انتشار کے دور میں کس طرح اصول پر قائم رہا جاتا ہے اور سیاست دین پر غالب نہیں ہونے پاتی، امام ابو حنیفہؒ نے خوب فرمایا ہے کہ اگر حضرت علیؓ کا دور نہ ہوتا تو ہمیں خیر القرون کی کوئی مثال اور نمونہ نہ ملتا کہ فتنوں اور خود مسلمانوں کی مخالفت کی حالت میں کیا کرنا چاہیے۔[مناقب الامام الاعظم ابی حنیفہ لصدر الائمہ: ۲/۳۸]

یہ تھا وہ جوہر جس کی چوتھے نمبر پر ضرورت تھی، اب میں آپ سے کہتا ہوں کہ اسی طریقہ سے اللہ تعالیٰ نے اس سلسلہ کو جاری رکھا، اور یہی حضرت حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا معاملہ ہے، میں صفائی سے آپ سے کہتا ہوں کہ حضرات حسنینؓ کا معاملہ بھی آیات الٰہی اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے ہے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ خدا تعالیٰ کا جو مخصوص معاملہ رہا ہے، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا کی جو بہتر سے بہتر نعمتیں عطا فرمائی ہیں، ان میں سے آپ کے یہ دو پھول بھی ہیں، جن کو "ریحانتی رسول اللہ" کا لقب ملا ہے۔

میں اپنے تاریخ کے مطالعہ کی روشنی میں صاف کہتا ہوں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا اقدام بالکل صحیح تھا جو انہوں نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے معاملہ میں کیا تھا، اور پھر خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسن رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر فرمایا تھا: "ان ابنی ھذا سید وسیصلح اللہ بہ بین فئتین من المسلمین"۔[الاصابہ فی تمییز الصحابہ: ۱/ ۲۳۰] (میرا یہ بیٹا سردار ہے، امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعہ مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں صلح کرادے گا)، یہ بات حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے لیے صرف ایک خبر نہیں تھی، بلکہ یہ آپ کے لیے ایک وصیت تھی، منشاء رسول تھا، اللہ کے رسول کا منشاء بھی اور پیارے نانا جان کا منشا بھی، چنانچہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نے اس کو اپنے لیے خالص حکم نبوی سمجھا اور اس کے مطابق جو اقدام کیا وہ بالکل صحیح تھا کہ معاملہ حضرت معاویہؓ کے ساتھ تھا، جو صحابی تھے، کاتب وحی تھے، قریبی رشتہ دار تھے، اور کوئی بات موجب خروج اور تلوار اٹھانے کی نہ تھی، ان کے مخالفانہ فوجی اقدام کا نتیجہ خونریزی کے سوا کچھ نہ ہوتا ان کو جب بعض جوشیلے لوگوں نے طعنہ دیا کہ یہ ننگ وعار کی بات ہے تو فرمایا: "العار خیر من النار"۔

اسی طریقہ سے جب معاملہ یزید کا آیا تو میرے نزدیک حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا اقدام سو فی صد صحیح تھا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کو یہی کرنا چاہیے تھا، ورنہ قیامت تک کے لیے قرنِ اول کا کوئی نمونہ ہمارے سامنے نہ ہوتا کہ جب کوئی غلط اقتدار قائم ہوجائے، اور جب معاشرہ کی سیرت وکردار کے تبدیل ہوجانے کا خطرہ پیدا ہوجائے، جب حکومت بجائے امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے، اور بجائے تقویٰ اور طہارت پیدا کرنے، اور بجائے خدا ترسی اور عبادت کا ذوق بنانے کے، سیر وشکار اور تعیش ولذت اندوزی کا ذوق پیدا، اور دولت واقتدار کا غلط استعمال ہونے لگے، [ملاحظہ ہو کتب تاریخ] تو ہمارے سامنے کوئی نمونہ اس کا بھی ہونا چاہیے تھا کہ کوئی اللہ کا بندہ اُٹھے اور اس کو چیلنج کرے اور اس کے مقابلہ میں آجائے، اگر یہ نہ ہوتا تو آپ اسلام کی بعد کی تاریخ میں دیکھتے کہ وہ ساری کی ساری اس شعر کی تعمیل ہوتی کہ ع

چلو تم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی

جو غلط اقتدار آجاتا، جو غلط حکومت قائم ہو

جاتی، ہم بس اُس کے تابع بن جاتے کہ یہی تقدیر الٰہی ہے، ہمارے پاس صدر اول کا کوئی نمونہ نہیں ہے، ہمارے پاس کوئی قابل اقتدا مثال نہیں ہے کہ ہم کچھ کرسکیں، پھر اس میں یہ اندیشہ ہے کہ اس سے اسلامی وحدت پر اثر پڑے گا، مسلمانوں کی اجتماعیت خطرہ میں پڑ جائے گی، سب خاموش تماشائی بنے رہیں گے۔

اس کے لیے حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا نمونہ قائم کیا گیا، کہ نہیں کچھ لوگ ایسے ہونے چاہئیں کہ وہ اس کا مقابلہ کرنے کے لیے میدان میں آئیں اور کسی چیز کی پرواہ نہ کریں، چنانچہ بعد کے مجاہدین کی اگر آپ تاریخ پڑھیں اور ان کی نفسیات کا مطالعہ بھی کریں، اور ان کے مکالمے بھی اگر دیکھیں اور ان کی باتیں بھی سنیں، تو آپ کو معلوم ہوگا کہ مختلف عہدوں اور ملکوں میں جو اصلاحی تحریکات وجود میں آئیں، اور جو انقلابی کوششیں پروان چڑھیں، ان سب میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ نمونہ کام کر رہا تھا، امیر عبد القادر جزائری ہوں یا عبد الکریم ریفی، شیخ سنوسی ہوں یا شیخ شامل داغستانی یا سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ، سب کے حوصلے کو بڑھانے والی، ان کے اندر جذبہ پیدا کرنے والی چیز حضرت حسین رضی اللہ عنہ کا یہ نمونہ ہے کہ یہ کوئی طفلانہ حرکت نہیں، کوئی اشتعال انگیز، کوئی انتشار پیدا کرنے والی حرکت نہیں، بلکہ حسینی سنت ہے۔

یہ سلسلہ ہمارے اس دور تک قائم ہے، تحریک خلافت جس کا لکھنؤ ایک بڑا مرکز تھا، اس کے جو سب سے بڑے قائد تھے، یعنی رئیس الاحرار مولانا محمد علی جوہر ان کے اندر بھی حضرت حسینؓ کی تقلید کا یہ جذبہ کام کر رہا تھا، وہ کہتے ہیں ؎

پیغام ملا تھا جو حسین ابن علیؓ کو
خوش ہوں کہ وہ پیغام وفا میرے لیے ہے

پھر آپ دیکھیں کہ حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت زین العابدین کے صاحبزادہ زید بن علی بن حسینؓ جب ہشام بن عبد الملک کے (جو یزید سے یقیناً کچھ بہتر ہی ہوگا) مقابلہ میں کھڑے ہوئے تو امام ابو حنیفہؒ نے دس ہزار درہم جو اس زمانہ کے لحاظ سے اور امام ابو حنیفہؒ کے اعتبار سے (جو ایک مجتہد اور فقیہ تھے، کوئی سرمایہ دار نہیں تھے) بہت بڑا عطیہ ہے، ان کو بھیجے اور کہا آپ اس سے کام لیجیے، اور پھر اس کے بعد جب حضرت محمد ذوالنفس الزکیہ (محمد ذوالنفس الزکیہ کون ہیں؟ محمد ذوالنفس الزکیہ بن عبد اللہ المحض بن حسن المثنیٰ بن حسن المجتبیٰؓ بن سیدنا علی المرتضیٰؓ) جب منصور کے مقابلہ میں کھڑے ہوئے (منصور کون؟ ہارون رشید کا دادا اور بغداد میں خلافت عباسیہ کا بانی) تو تاریخ کی شہادت یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نے ان کا ساتھ دیا، اور رقم بھی بھیجی، اور حسن ابن قحطبہ کو جو منصور کا جنرل تھا، امام ابو حنیفہؒ نے روک دیا کہ تمہارے لیے جائز نہیں کہ تم محمد ذوالنفس الزکیہ اور ان کے بھائی ابراہیم سے جنگ کرو، یہ دو بھائی تھے، محمد بن عبد اللہ جو مدینہ میں کھڑے ہوئے اور حدیث موجود ہے کہ میری اولاد میں ذوالنفس الزکیہ ہوگا، جو مدینہ میں اور احجار زیت میں شہید ہوگا، یہ پیشین گوئی آپ پر صادق آئی، دوسرے بھائی ابراہیم تھے جو بغداد میں کھڑے ہوئے تھے، لیکن تاریخوں کے اختلاف کی وجہ سے ذرا سا فرق ہوگیا، چنانچہ دونوں مل کر مقابلہ نہیں کرسکے، امام ابو حنیفہؒ اور امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے دونوں کا ساتھ دیا، اور رقم بھی بھیجی۔

اب اگر کوئی حضرت حسینؓ، زید بن علیؓ اور محمد ذوالنفس الزکیہ کے اس اقدام پر اعتراض کرتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ جمعیت اسلامی اور اقتدار اسلامی کے خلاف ایک غیر مستحسن اقدام، اور ایک ناعاقبت اندیشانہ عمل تھا، تو وہ گویا یہ کہتا ہے کہ وہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ سے زیادہ فقیہ اور مجتہد ہے، اور زیادہ خدا ترس اور اسلام دوست، اور آپ یہ بھی یاد رکھیں کہ امام ابو حنیفہؒ اور امام مالکؒ نہ صرف فقیہ اور مجتہد تھے، بلکہ ایسے فقیہ اور مجتہد تھے کہ میں شریعت اور فقہ اور مذاہب کے تقابلی مطالعہ کے ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے کہتا ہوں کہ ملتوں میں ان دونوں کی مثالیں نہیں ملتی، انہوں نے نہیں سوچا کہ اسلامی اقتدار اعلیٰ کے خلاف یہ لوگ قدم اٹھا رہے ہیں؟ ان کے پاس کیا فوجی طاقت ہے؟ اس کا نتیجہ سوائے انتشار کے کچھ نہیں، دونوں نے بالکل خم ٹھونک کر ان لوگوں کی تائید کی۔

یہ ہم اہل سنت کا امتیاز ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کی عظمت کرتے ہیں، ان کی فضیلت کے قائل ہیں، اور اہل بیت سے محبت رکھتے ہیں، اور اپنے اس سرمایہ پر فخر کرتے ہیں، اور یہ ہال جس کی یادگار ہے (امام اہل سنت مولانا عبد الشکور فاروقیؒ)، میں خود اس کے متعلق یہ گواہی دیتا ہوں کہ یہی ان کا مسلک تھا، یہی حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے بعد ان کے خاندان کا مسلک تھا، یہی مجدد الف ثانیؒ کا مسلک تھا، میں نے صاف پڑھا ہے کہ جب ان کے والد (حضرت شیخ عبد الاحد سرہندیؒ) کا انتقال ہونے لگا، بالکل سکرات کا وقت تھا، حضرت مجدد صاحب نے کہا کہ ابا جان! آپ بہت کہا کرتے تھے کہ اہل بیت کی محبت کا حسن خاتمہ میں بہت دخل ہوتا ہے، تو فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں، اور پھر اس جگہ یہ شعر لکھا ؎

الٰہی بحق بنی فاطمہ
کہ بر قول ایمان کُنی خاتمہ

[زبدۃ المقامات، ص/۱۳۳]

یہ ہمارا شعار ہے، ہم کسی قیمت پر بھی اس کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں، ہم خلفاء راشدین کو احق الناس بالخلافۃ اسی ترتیب کے ساتھ اور ان کی اوّلیت بھی اسی ترتیب کے ساتھ، پہلے خلیفہ

الرسول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ، دوسرے نمبر پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، تیسرے نمبر پر حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، چوتھے نمبر پر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ ہیں، ہم اس ترتیب کے بھی قائل ہیں، ان کی افضلیت کے بھی قائل ہیں، اور ان کی خلافت کی حقانیت کے بھی قائل ہیں، اس کے ساتھ ہم اہل بیت سے بھی محبت رکھتے ہیں، اور ہم حضرات حسنینؓ کے اقدام کو بالکل صحیح سمجھتے ہیں۔

ہمارے تمام قابل اعتماد اور لائق استناد مجتہدین اور ائمہ سب متفق ہیں، یزید کے فعل کی شناعت اور یزید کے فسق پر، امام احمد بن حنبلؒ کے متعلق صاف آتا ہے کہ ان کے صاحبزادہ نے کہا کہ ابا جان! کچھ لوگ کہتے ہیں کہ آپ یزید کو پسند کرتے ہیں؟ انہوں نے کہا کہ بیٹا جو شخص اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتا ہو کیا وہ یزید کو پسند کرسکتا ہے؟ صاحبزادہ نے عرض کیا کہ پھر آپ لعنت کیوں نہیں بھیجتے یزید پر، امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ تم نے اپنے باپ کو کب کسی پر لعنت بھیجتے ہوئے سنا ہے۔ [فتاویٰ ابن تیمیہ: ۴/۴۸۳]

یہی امام ابن تیمیہؒ کا مسلک ہے، جب ان کا مکالمہ تاتاری قائد بولائی سے ہوا تو یزید کے بارہ میں بڑے سخت الفاظ استعمال کیے، اور اس سے اپنی براءت کا اظہار کیا، اور اس کے فعل کی شناعت بیان کی۔ [حوالہ سابق: ۴/۵۵۱]

یہی مسلک تھا حضرت مجدد الف ثانی، شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور ہمارے تمام پیشواؤں کا یہی مسلک تھا، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور رحمۃ اللہ علیہ کا، میں ان کو جانتا ہوں کہ ان کو اہل بیت سے کتنا تعلق تھا، اور حضرات حسنینؓ سے کتنا تعلق تھا یہاں تک کہ ان کے منتسبین تک سے ان کا جو معاملہ تھا، وہ ہم سب جانتے ہیں، اس خصوصیت سے ہم کو کبھی دست بردار نہیں ہونا چاہیے، اور اس کے بارے میں کوئی سودا نہیں کرنا چاہیے، نہ عظمت صحابہؓ کے بارے میں، نہ خلفاء راشدین کی ترتیب کے بارے میں، اور نہ حضرات حسنینؓ کے فعل کی صحت کے بارے میں، اور نہ ان کے اقدام کے صحیح اور مبارک ہونے کے بارے میں۔

خوارج ایک طرف چلے گئے، روافض ایک طرف چلے گئے، بے توفیق تھے وہ، خدا کی نصرت، اس کی رہنمائی اور اس کی ہدایت سے محروم تھے وہ، خوارج نے حضرت علیؓ کی تکفیر کی، اور روافض نے خلفاء ثلاثہ کی تکفیر کی اور ان کے ائمہ جو یہ بات کہتے ہیں کہ حضور کی آنکھ بند ہونے کے بعد صرف تین آدمی دین پر قائم رہے، اور بقیہ تمام لوگوں نے ارتداد کا راستہ اختیار کیا، معاذ اللہ اس سے بڑھ کر رسولؐ کی ناکامی کا اعلان اور آپ کی رسالت اور آپ کی کیمیا اثر صحبت کی تاثیر کا انکار اور کیا ہوگا، یہ تو عیسائیوں اور یہودیوں نے بھی نہیں کیا، چنانچہ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے بڑی عمدہ بات لکھی ہے، اور اس سے بہتر بات نہیں ہوسکتی اور میں اسی پر اپنی تقریر ختم کروں گا۔

وہ لکھتے ہیں کہ یہودیوں سے پوچھا گیا کہ تمہاری امت میں، امت یہودیہ میں سب سے افضل اور سب سے اعلیٰ لوگ کون تھے، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھی، عیسائیوں سے پوچھا کہ تم اپنی اُمت میں سب سے افضل اور سب سے بہتر کسے سمجھتے ہو، اور امت عیسوی میں نمونہ کامل کون لوگ تھے، انہوں نے جواب دیا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواری، روافض سے پوچھا گیا کہ امت اسلامیہ میں سب سے بدتر اور خراب لوگ کون ہیں؟ انہوں نے جواب دیا کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی، بالکل الٹی بات۔

ارے بھائی جن کا یہ سب فیض ہے، اور یہ جو آج روشنی نظر آرہی ہے بقول شاعر ؎

بہار اب جو دنیا میں آئی ہوئی ہے
یہ سب پود انہیں کی لگائی ہوئی ہے

اس کا فیض اگر اس کے قریب ترین لوگوں میں نہ پہونچے تو پھر کیسا دعویٰ، اور میں نے تو کہا کہ اگر میں کسی مغربی ملک میں تقریر کررہا ہوں اور تقریر زور وشور سے جاری ہو اور لوگ متاثر ہورہے ہوں کہ ایک دم سے ایک عیسائی کھڑا ہوتا ہے اور مجھ کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ مولانا صاحب! یہ جو آپ ہم کو دین کی دعوت دے رہے ہیں تو آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں، آپ کے نبی کے تیار کیے ہوئے لوگ آپ کے نبی کی آنکھ بند ہوتے ہی پھر گئے، تو پھر آپ ہم سے کیا امید رکھتے ہیں، اور ہم پر کیوں محنت کرتے ہیں، ہم اگر آج کلمہ بھی پڑھ لیتے ہیں، مسلمان بھی ہوجاتے ہیں، تو ہمارا کیا اعتبار، ہمارے پاس کوئی جواب نہیں، تو جب بقول شاعر اثنا عشری علماء کے تین ہی ارتداد سے بچے اور اسلام پر قائم رہے، ۲۳ سال کی محنت شاقہ اور مؤثر تربیت جو خاک کے ذرّوں کو کیمیا بنادے، اور سونا کیا چیز ہے، اس کو آسمان تک پہونچادے، اس ۲۳ سالہ مشقت اور تبلیغ کے بعد نتیجہ صرف یہ ۳ آدمی ہیں، تو آپ ہم کو کس امید اور کس بھروسہ پر دین کی دعوت دے رہے ہیں؟

آپ اس چیز کو ہمیشہ قائم رکھیں، صحابہ کرامؓ کی عظمت وعقیدت، ان کی افضلیت کا عقیدہ، ان کی خلافت کو برحق ماننا، اور حضرات حسنین سیدنا حسن رضی اللہ عنہ اور سیدنا حسین رضی اللہ عنہ دونوں کے اقدام کو بالکل صحیح سمجھنا اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا، اور ان سے محبت کرنا یہ ہمارا آپ کا شعار ہے، اور اس پر ہم کو فخر ہے، اور ہم اللہ سے دعا کرتے ہیں کہ ہم اس پر زندہ رہیں، اور اسی پر دنیا سے جائیں۔

☆☆☆☆☆

دل دردمند

ذاتی مفاد پر ملی مفاد کو ترجیح
اور احتساب نفس کی ضرورت

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی

مسلمانوں کی آبادی اب دنیا کے تقریباً ہر ملک میں پائی جاتی ہے، اور وہ ملک جن میں وہ اکثریت میں ہیں ایک معتدبہ تعداد رکھتے ہیں، یہ تعداد ایسی ہے کہ بین الاقوامی سیاست اور دیگر معاملات میں نظر انداز نہیں کی جاسکتی، مسلمانوں کے یہ ملک اقتصادی لحاظ سے بھی مضبوط ہیں ان میں سے متعدد ملک اپنے معدنی ذخائر کے لحاظ سے دنیا کے اولین ملکوں میں شمار کیے جاتے ہیں اور ان کے بعض بعض ذخائر ایسے ہیں کہ دنیا کے انتہائی بڑے ملک اپنے کو ان کا محتاج محسوس کرتے ہیں، مسلمان اگر امت واحدہ کے طور پر کام کریں تو دنیا کی بین الاقوامی سیاست اور رائے عامہ ان کی مرضی کے خلاف نہیں ہوسکتی، ان کی رعایت کے بغیر دنیا کا کوئی کام انجام نہیں پاسکتا۔

مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو دین عطاء کیا گیا ہے، وہ تمام انسانیت کی فلاح اور صلاح کا ضامن ہے وہ نہ صرف خود مسلمانوں کی عزت و قوت کا باعث ہے، بلکہ ساری دنیا کی عزت وقوت کا سرچشمہ یہ دین بن سکتا ہے، لیکن اس امر کی طرف توجہ تمام دنیا کو کیا خود مسلمانوں کو بھی نہیں ہے، وہ نہ اپنے دین کی اہمیت کو سمجھتے ہیں اور نہ بحیثیت ایک بین الاقوامی اور عظیم ترملت ہونے کے اپنی طاقت کو سمجھتے ہیں، وہ اپنے دین کی اس اہمیت اور اپنی عظیم طاقت سے فائدہ اٹھانے اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے کی طرف کوئی دھیان نہیں دیتے اور اس کے لیے جو سودمند طریقہ ہے اس کو اختیار نہیں کرتے اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت سے واقف نہیں کراتے، یہ وقت کا اہم تقاضہ ہے کہ وہ خود بھی اس سے صحیح فائدہ اٹھائیں اور دوسروں کو بھی اس کی اہمیت وافادیت سے واقف کرائیں، مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے امت دعوت بنایا گیا ہے، ان کی افادیت اس پانی کی طرح ہے جس سے انسانوں کی پیاس بجھتی ہے، اور خشک کھیتیاں سیراب ہوکر سرسبز وشاداب ہوتی ہیں لیکن اس وقت مسلمان خود اپنی پیاس نہیں بجھا پارہے ہیں، اور خود اپنی کھیتیوں کو سرسبز وشاداب نہیں بنا پارہے ہیں، اس وقت دنیا کے ملکوں میں کم ایسے ملک ہوں گے جہاں مسلمانوں پر بحیثیت مسلمان زمین تنگ نہ ہو، ان کو بے بسی اور لاچارگی کا سامنا نہ ہو۔ ان کا حال یہ ہوگیا ہے کہ جہاں مسلمان اقلیت میں ہیں وہاں ان کو سیاسی اور اقتصادی دشواریوں اور مصیبتوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے اور جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں وہاں ان کو اپنے دین پر صحیح طور پر عمل کرنے اور اس کو نافذ کرنے میں طرح طرح کی دشواریاں پیش آرہی ہیں۔

یہ صورت حال اگر مسلمان ایک کمزور، بے قیمت اور وسائل زندگی سے محروم قوم ہوتے تو سمجھ میں آسکتی تھی یا ان کی تعداد بہت کم ہوتی تو سمجھ میں آسکتی تھی، لیکن ان کے موجودہ حجم کی صورت میں کہ دنیا کی پانچ ارب آبادی میں وہ ایک ارب سے زیادہ ہیں۔ دنیا کے سیاسی طور پر ڈیڑھ سو تسلیم شدہ ملکوں میں ایک تہائی کے قریب ہیں۔ متحدہ اقوام میں وہ جس رائے کی طرف ہوجائیں اس رائے کا ناکام ہونا ممکن نہیں۔ وہ دنیا کے ملکوں کی برادری میں کوئی ایک موقف اپنائیں تو ان کے موقف کو گرایا نہیں جاسکتا، وہ اپنی زمینی دولتوں کو صحیح ڈھنگ سے استعمال کریں تو دنیا کے بڑے بڑے ملک ان کے

> ہمارے کسی معمولی ذاتی مفاد کا نقصان ہو یا اپنی جھوٹی عزت کے کسی جزو کو دھکا پہنچتا ہو تو ہم شریف سے شریف آدمی کو ذلیل کرکے رکھ دیں۔ ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کردیں۔ خدا و رسولؐ کے اہم سے اہم حکم کو پامال کردیں۔ ایسی صورت میں نتیجہ معلوم ہے کہ پہلے ملت کی تباہی پھر اس کے افراد کی بربادی اور ذلت۔ آج افسوس کی یہی بات ہے کہ امت اسلامیہ بین الاقوامی، پھر بین الملکی، پھر من حیث الجماعت پھر من حیث الافراد اسی ذلت و نکبت میں مبتلا نظر آرہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان آج کے حال پر منطبق ہورہا ہے: "أنتم غثاء كغثاء السيل" کہ تم تعداد کی زیادتی کے باوجود سیلاب کے لائے ہوئے جھاگ کی طرح ہوگئے۔ یعنی دیکھنے میں بہت لیکن حقیقت و افادیت میں کچھ نہیں۔

قدموں پر گر جائیں گے۔ وہ متحد کر اپنی سیاست بنائیں تو دنیا میں کوئی بڑا فیصلہ ان کی رائے معلوم کیے بغیر نہ ہو سکے گا۔

لیکن ہو کیا رہا ہے؟ مسلمانوں کی ان تمام طاقتوں اور صلاحیتوں کے باوجود ان کے برعکس حالات میں جو چھوٹے سے چھوٹا گروہ بھی آپس میں کئی ٹکڑیوں میں بٹا ہوا ہے اور ایسی عداوت کہ دشمن سے بھی نہ ہوگی۔ بھائی بھائی سے جدا ہے، بلکہ اس کو گرانے اور شکست دینے کی خاطر دشمن سے بھی مدد لے لیتا ہو۔ اسلام کی عزت ملت کی عزت اور ادارہ کی عزت کے بجائے صرف اپنی عزت کی فکر میں لگا ہوا ہے۔ وہ اپنی عزت کے لئے خواہ وہ صرف دکھاوے کی اور جھوٹی عزت ہو اپنے خاندان کی اپنی ملت کی عزت کو برباد کر سکتا ہے، افراد سے لے کر اداروں، حکومتوں اور بین الاقوامی برادری تک بھی مسلمانوں کا یہ طرز عمل نظر آرہا ہے، ایسی صورت میں اس قوم کی ترقی وکامیابی کی اچھی توقعات کہاں قائم کی جا سکتی ہیں، لیکن اس سب کے باوجود اس عظیم دین کے تابعداروں کے لیے مایوسی کی بات نہیں ہے۔ اس میں امید کی کرن ان اسلامی تعلیمات میں ہے جو ہم کو قرآن کریم وحدیث سے ملتی ہیں۔ ان کو اگر ہم اپنا سکیں تو ہم اپنی تمام کمزوریوں کو دور کر سکتے ہیں، اور مسلمانوں کی تاریخ میں بار بار پیش آیا ہے کہ امت اتنی گر گئی کہ اس کا اٹھنا دشوار محسوس ہونے لگا، اتنے میں خدا کا ایک بندہ اٹھا اور اس نے اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے طریقہ پر چلتے ہوئے اصلاح کی جدوجہد کی اور وہ جدوجہد کامیاب ہوئی، اسی لئے یہ امت اتار چڑھاؤ سے تو گذری لیکن ختم یا تباہ نہ ہوئی۔

آج ضرورت ہے کہ ہم غور کریں کہ ہم اپنی ان کمزوریوں کو کیسے دور کر سکتے ہیں، جو ہم کو تباہی و بربادی میں ڈالے ہوئے ہیں، ہم کو چاہیے کہ ہم ان کمزوریوں کی اصلاح کی فکر کی طرف جلد ہی توجہ کریں، باہر کے دشمن سے لڑنے سے قبل ہم کو اپنے اندر کے دشمن سے لڑنا ہوگا۔ بخار میں مبتلا آدمی کو پہلے اپنے بخار کو دور کرنے کی فکر کرنا چاہئے تا کہ وہ صحت کے ساتھ طاقت آزمائی میں مضبوط ثابت ہو سکے۔ ہماری طاقت وعظمت کا راز اس میں پوشیدہ ہے کہ ہم ﴿تَعَاوَنُوا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾۔

کہ نیکی کے کام میں اور تقویٰ واحتیاط کے سلسلہ میں آپس میں تعاون کرو۔ معصیت کے کام اور دوسرے پر زیادتی کے سلسلہ میں تعاون نہ کرو۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا قول ہے:

"لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا ولا تقاطعوا وكونوا عباد الله إخوانا"۔

(آپس میں غصہ نہ کرو اور نہ آپس میں حسد کرو، اور نہ سازش کرو اور نہ آپس میں مقاطعہ کرو اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ)۔

ہم تنہا ان دو نصیحتوں کو اپنے سامنے رکھیں اور اپنی زندگی کو ان کے مطابق ڈھالیں تو ہماری وحدت مضبوط دیوار کی طرح بن سکتی ہے۔ ہماری طاقت ناقابل شکست چٹان بن سکتی ہے، ہمارا معاشرہ شاندار سیرت وکردار کا معاشرہ بن سکتا ہے کہ جس کو دیکھ کر ہمارے دشمن رشک کریں اور صرف رشک ہی نہیں بلکہ اس کی طرف مائل ہونے اور اس کی نقل کرنے کی طرف لپک کر بڑھیں اور ہماری رہنمائی اور سرپرستی میں اپنے کو دے دینے کے خواہش مند ہوں، کیا ایسا ہمارے ماضی میں نہیں ہوا؟ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ۲۳ سال کے عرصہ میں جو معاشرہ تربیت دے کر تیار کیا تھا اس معاشرہ نے دنیا کے ایک بڑے حصہ کو اپنا گرویدہ اور نیاز مند نہیں بنالیا؟ حالانکہ ان کی مادی طاقت اپنے دشمنوں کی مادی طاقت سے کم تھی، ان کی تعداد ان کے دشمنوں کی تعداد سے کم تھی، ان کے وسائل وسامان زندگی اپنے دشمنوں کے وسائل اور سامان زندگی سے کم تھے، لیکن ان کے پاس ایمان کی طاقت تھی، بے غرضی اور اخلاص کی طاقت تھی۔ اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکا دینے اور خواہش نفس پر غالب رہنے کی طاقت تھی، اور آج ہمارے پاس یہ طاقتیں موجود نہیں، ہم خدا کے حکم اور ملت کے مفاد کے لئے اپنی اندرونی خواہش وجذبہ کو بھی قربان نہیں کر سکتے۔

ہمارے کسی معمولی ذاتی مفاد کا نقصان ہو یا اپنی جھوٹی عزت کے کسی جزو کو دھکا پہنچتا ہو تو ہم شریف سے شریف آدمی کو ذلیل کر کے رکھ دیں۔ ملت کے بڑے سے بڑے مفاد کو قربان کر دیں۔ خدا ورسول کے اہم سے اہم حکم کو پامال کر دیں۔ ایسی صورت میں نتیجہ معلوم ہے کہ پہلے ملت کی تباہی پھر اس کے افراد کی بربادی اور ذلت۔ آج افسوس کی یہی بات ہے کہ امت اسلامیہ بین الاقوامی، پھر بین الملکی، پھر من حیث الجماعت پھر من حیث الافراد اسی ذلت ونکبت میں مبتلا نظر آرہی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ فرمان آج کے حال پر منطبق ہو رہا ہے کہ "أنتم غثاء كغثاء السيل" کہ تم تعداد کی زیادتی کے باوجود سیلاب کے لائے ہوئے جھاگ کی طرح ہوگے، یعنی دیکھنے میں بہت لیکن حقیقت وافادیت میں کچھ نہیں۔

☆☆☆☆☆

اسلامی سال

ہجرت کا بنیادی مضمون

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی

سنہ ہجری کا آغاز ہجرت کے اس عظیم الشان تاریخی واقعے کی یاد تازہ کرتا ہے، جو تیرہ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد، مسلسل اذیتوں، مشقتوں اور ہمت شکن حالات کا مقابلہ کرنے کے بعد پیش آیا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لے کر مکے سے مدینے جانے کے لیے تیار ہوئے، اہل مکہ کی عداوت آخری حد تک پہونچ چکی تھی اور وہ کسی طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اس لیے آپ ان کے شر سے بچنے کے لئے پہلے غار ثور میں چند دن قیام فرمایا، اور اسی اثناء میں زاد سفر، سواری اور رہبر کا انتظام بھی فرمالیا، اور ایک دن صبح کو قافلہ ہجرت مدینے کی طرف چل پڑا، اور تاریخ اسلام کے اس ٹھہرے ہوئے سمندر میں طغیانی شروع ہوگئی۔

ماقبل ہجرت کے یہ تیرہ سال اس بنیادی پتھر کی حیثیت رکھتے ہیں، جس کے مستحکم ہونے کے لئے ہزاروں طوفان، سیلابوں اور طرح طرح کے گردشوں کی ضرورت پڑتی ہے۔ بنیاد کا پتھر مضبوط کرنے کے لیے وقت اور محنت، قربانی اور تحمل سب کچھ درکار ہوتا ہے، اس لیے جس بنیاد پر وقت و محنت صرف کیے بغیر اور اس پر مصائب کا بوجھ ڈالے بغیر عمارت تعمیر کر دی جاتی ہے، وہ عموماً معمولی طوفان اور جھٹکوں کو برداشت کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی اور کسی ادنیٰ مناسبت سے گر کر منہدم ہو جاتی ہے، یا کم از کم ناقابل رہائش قرار دے دی جاتی ہے۔

ہجرت سے پہلے کی مدت دراصل اسلامی تاریخ کا وہ بنیادی پتھر ہے، جس نے ہزاروں طوفانوں اور زلزلوں اور طرح طرح کے جھٹکوں کو برداشت کر کے اپنا استحکام ثابت کر لیا تھا، اور اس پر ایک شاندار تاریخ کی بلند وبالا عمارت بے خوف و خطر قائم ہو سکتی تھی۔

ماقبل ہجرت کی سختیوں اور ان صبر آزما مصائب کے اندر، جن کو پیغمبر اسلام اور ان کے جاں نثار ساتھیوں نے نہایت خندہ پیشانی کے ساتھ جھیلا تھا، ایک ایسی لازوال زندگی اور ایک ایسی شاندار فتح و نصرت مضمر تھی جس کو دنیا نے اسلامی شریعت کے نام سے پہچانا، اور جس نے دیکھتے ہی دیکھتے مشرق ومغرب، شمال وجنوب میں اپنا جھنڈا گاڑ دیا، اور بے چین ومضطرب دنیا، گم کردہ راہ قوموں کو سکون و ہدایت کی دولت دوام عطا کی، انسانیت کے تن مردہ میں روح پھونکی اور انسانوں کو ایک ایسا قانون فطرت عطا کیا جو ان کے تمام مسائل کا حل تھا، اور جس میں ان کی سعادت وکامرانی کا راز مضمر تھا۔

ہجرت کا واقعہ اس عظیم ترین کامیابی کا اعلان تھا، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے عظیم ترین مقصد میں بے شمار خطرات و پریشانیوں کو جھیلنے کے بعد حاصل ہوئی تھی، یہ واقعہ اعلان تھا اس بات کا کہ اسلام غالب ہے اور مسلمان مظفر ومنصور ہیں۔ یہ حق وباطل کی جنگ میں باطل کی شکست اور حق کی کامیابی کا اعلان تھا، یہ کفر وشرک کی پسپائی اور توحید ورسالت کے غلبے کا اعلان تھا۔ یہ آوازۂ حق کی صداقت اور شیطانی تدابیر کی ناکامی کا اعلان تھا۔ یہ انسانوں کی سعادت وفلاح اور جادۂ انسانیت سے دور بھاگنے والوں کی شقاوت وبدبختی کا اعلان تھا،

ہجرت کا واقعہ راہ خدا میں سب کچھ قربان کر دینے اور خدا ہی کے لیے جینے اور مرنے کا اعلان تھا۔ یہ اس بات کا اعلان تھا کہ انسان کو خدا کی راہ میں سب کچھ چھوڑ دینے اور سب کچھ نظر انداز کر دینے کے بعد سب کچھ مل سکتا ہے۔ اور اس سے زیادہ مل سکتا ہے جو اس نے چھوڑا یا نظر انداز کیا ہے۔

ہجرت کا واقعہ ایک مسلمان کے لیے بڑی عبرت وبصیرت کا حامل ہے۔ یہ کامیابی کا ایک نیا موڑ ہے، یہ پوری انسانیت کے لیے قیامت تک کے لیے امن وسکون اور عیش دوام کا پیغام ہے۔

ہجرت اخلاص ومحبت، قربانی واطاعت کا وہ معیار ہے، جس کے بغیر زندگی میں کامیابی کی امید کرنا عبث اور سعادت وسکون کی توقع رکھنا بیکار ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مکے سے مدینے کی طرف ہجرت فرمائی تھی، لیکن مسلمانوں کی ہجرت یہ ہے کہ وہ گناہ ومعصیت کی زندگی سے طاعت وبندگی کی طرف ہجرت کریں، وہ نفس اور شیطان کی پیروی چھوڑ کر خدا ورسول کی پیروی کریں، وہ برائیوں اور بداخلاقیوں کی دنیا سے ہجرت کر کے نیکیوں اور بلند اخلاقی کی دنیا کی طرف آئیں، ان کی ہجرت یہ نہیں ہے کہ وہ اپنا آبائی وطن

ترک کر کے کسی دوسرے شہر کو اپنا وطن بنا لیں، اور اپنے اعزاء و اقرباء کو خیر باد کہہ کے دوسرے لوگوں کے ساتھ رشتۂ اخوت میں منسلک ہو جائیں، بلکہ ان کی ہجرت یہ ہے کہ وہ خدا کے دین کو مستحکم بنانے، اس کی شریعت کو نافذ کرنے اور اس کے قانون کو رائج کرنے کے لیے ہر طرح کی قربانی دیں، وہ منکر کو ختم کرنے، گناہوں کو نیست و نابود کرنے اور ظلم و ناانصافی کا قلع قمع کرنے کے لیے ہر طرح کی جدوجہد کریں، اور نیکی کو عام کرنے، خدا کی بندگی کو بروئے کار لانے اور عدل و انصاف کو مستحکم کرنے کے لیے اپنی تمام توانائیوں اور جملہ صلاحیتوں کو صرف کریں۔

ہجرت کا یہی وہ بنیادی مضمون ہے، جس کے لیے یہ تاریخ وجود میں آئی اور اسلام کو فروغ حاصل ہوا، یہی تمام انسانی کامیابیوں کا پیش خیمہ ہے، اور اس سے تمام ناقابل تسخیر طاقتوں پر قابو پایا جاسکتا ہے، جو بظاہر ناممکن معلوم ہوتا ہے، اسی مفہوم کو ہم جتنا ہی زیادہ اپنی زندگیوں میں عام کریں گے، اور اجتماعی، تمدنی، سیاسی اور اقتصادی معاملات میں اس کو رہنما بنائیں گے، ہماری پیچیدگیاں دور ہوں گی، ہماری پریشانیوں اور بے اطمینانیوں کا خاتمہ ہوگا۔ اور ہمارے تمام الجھے ہوئے مسائل حل ہوں گے۔

عام طور سے ہم نے ہجرت کو تاریخ اسلام اور واقعات کی طرح محض ایک اتفاقی واقعہ سمجھ رکھا ہے، حالاں کہ ہجرت کا واقعہ دراصل اسلام کی کامیابی اور اس کی سربلندی کا راز ہے، یہ وہ کلید ہے جس سے حق و انصاف کا قفل کھولا گیا، اور انسانوں کے لیے ایک نئی زندگی کی راہ متعین ہوئی اور یہ اعلان ہوا کہ آج خدا کا دین غالب آگیا، اور راستے کی ساری تاریکیاں اور دشواریاں دور ہو گئیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جھنڈے کے نیچے ابوجہل اور ابولہب کا پرچم کفر و ضلالت سرنگوں ہو گیا، توحید و ایمان کے سامنے کفر و شرک کی ساری طاقتیں فنا ہو گئیں، اور آج سے اسلام اور صرف اسلام انسانوں کا دین قرار پایا۔

آج اور تاریخ کے ہر دور میں مسلمانوں کی یہ بڑی سعادت ہوگی کہ وہ ہجرت کے واقعے کے ساتھ اس کی تمام خصوصیات کو مستحضر رکھیں، جو اس کے ساتھ وابستہ ہیں، اور زندگی کے ہر مرحلے میں اس کو مشعل راہ بنائیں، اور ہجرت کے اس بنیادی مفہوم پر نظر رکھیں، تاکہ پیش آنے والے حالات کا مقابلہ کرنے اور مشکل سے مشکل تر اوقات میں اپنے اوپر قابو رکھنے کی قوت ان میں موجود رہے۔ اس لیے کہ ایک مسلمان کی زندگی ہمہ دم ناموافق حالات کی زد میں ہوتی ہے، اگر اس میں یہ خصوصیت نہ ہو اور اس کی نظروں میں وہ اوصاف نہ ہوں جو ہجرت کے اوصاف سمجھے جاتے ہیں، تو وہ بہت جلد حالات کی ناساعدت سے مرعوب ہو کر شکست کھا جاتا ہے، اور زندگی کو کامیاب بنانے کا جذبہ اس کے اندر سے مفقود ہو جاتا ہے۔

سال ہجری کا مبارک آغاز ہم سے اسی بات کا مطالبہ کرتا ہے، وہ ہم سے ہجرت کے اوصاف و خصوصیات کا طالب ہے، موجودہ حالات میں جو ہر ملک کے مسلمانوں کو درپیش ہیں، اس بات کی ضرورت انتہائی شدت سے محسوس ہوتی ہے کہ ہم بار بار سیرت کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیتے رہیں، اور اس میں ہم اپنے لیے عبرت و عمل کے نمونے تلاش کرتے رہیں۔

اس مبارک سیرت کا سب سے روشن، تابناک اور اہم پہلو ہجرت کا واقعہ ہے، جو ہر دور میں مسلمانوں کی رہنمائی کے لیے بالکل کافی اور واقعی نمونۂ عمل اور اسوۂ نبوی ہے۔

☆☆☆☆☆

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحؒ کی اہم کتاب

مطالعۂ قرآن کے اصول و مبادی

☆ قرآن کا تعارف خود قرآن کی زبان سے ☆ اعجاز القرآن ☆ قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفوں کا فرق ☆ صحف سابقہ کی تحریفات پر تنبیہ ☆ قرآن مجید کی ایک اہم پیش گوئی، قرآن مجید کی دوسری پیش گوئیاں ☆ قرآن مجید کا ایک معجزہ ہدایت و انقلاب ہے ☆ قرآن مجید اور قدیم آسمانی صحیفے علم و تاریخ کی میزان میں ☆ قرآن مجید سے استفادہ کے شرائط، مؤیدات و موانع ☆ قرآن مجید سے استفادہ کے موانع ☆ وہ صفات جو قرآن مجید کے فہم و استفادہ کے لیے معاون ہیں ☆ تلاوت و تدبر قرآن کے چند واقعات اور نمونے ☆ ایک تجربہ، ایک مشورہ۔

قیمت: ۸۰ روپے (بہترین کتابت و طباعت)

طلباء کے لیے خصوصی رعایت

مکتبۂ اسلام، رؤف مارکیٹ ۱۴۱ گوئن روڈ، امین آباد، لکھنؤ ۲۲۶۰۱۸

تذکیر و اصلاح

حقوق العباد کی ادائیگی

مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی

عقائد درست ہونے کے بعد اور اللہ تعالی کے حقوق کے بعد سب سے بڑا مسئلہ بندوں کے حقوق کا ہے، یہ بات ہم سب جانتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے حقوق معاف فرما دے گا، لیکن اس نے بندوں کو اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ اپنے حقوق و مطالبات معاف کریں یا نہ کریں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: ”جس کے ذمہ اپنے کسی بھائی کا مطالبہ ہو، عزت و ناموس کی بات ہو یا کسی اور قسم کی چیز، تو آج ہی اس دنیا میں اس سے صفائی کر لے، اس پہلے کہ جب نہ دینار ہوگا نہ درہم، اگر اس کا کوئی نیک عمل ہوگا تو اس کے بقدر مدعی کے مطالبہ اور حق سے لیا جائے گا اور اگر اس کے پاس نیکیاں نہ ہوں گی تو صاحب حق کے گناہ اس مدعیٰ علیہ پر ڈال دیئے جائیں گے“۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا کہ جانتے ہو کنگال اور خالی ہاتھ کون ہے؟ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا جس کے پاس نہ نقد ہو نہ سامان، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میری امت میں مفلس و کنگال وہ ہیں جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ سب لے کر آئے گا لیکن کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، کسی کا خون بہایا ہوگا، کسی کو مارا ہوگا، تو ان کو قیامت میں اس کی نیکیاں دے دی جائیں گی، جب نیکیاں بھی ختم ہو جائیں گی اور اس پر مطالبے باقی ہوں گے تو اس کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیے جائیں گے، پھر وہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ ایسے بڑے خطرہ اور نقصان سے بچنے کے لیے اور اپنا دامن حساب و کتاب سے صاف رکھنے کے لیے ہم کو اپنے معاملات کی صفائی ضرورت ہے۔

ہم کو غیر جانبدارانہ طور پر غور کرنا چاہیے اور اپنے پچھلے معاملات پر غور کرنا چاہیے اور موجودہ حالات کی بھی جانچ کرنا چاہیے، اگر خرید و فروخت میں، تجارت میں، آپس کی تجارتی شرکت میں، کوئی حق کسی کا ہمارے ذمہ باقی رہ گیا ہے تو اس کو فوراً صاف کر لینا چاہیے یا ہمارے ذمہ کوئی قرض ہے تو اس کی ادائیگی کی فکر کرنی چاہیے، اس گمان میں نہ رہنا چاہیے کہ اولاد ادا کر دے گی، اگر آپ سے خود نہ ادا کرنے کی کوتاہی ہوگی تو اولاد یا وارث کیسے ادا کریں گے، اپنا معاملہ خود صاف کرنا چاہیے۔

جائداد ہے تو اپنے شرکت داروں کو شریعت کے مقرر کردہ طریقہ کے مطابق ان کا حق دینا چاہیے۔ یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہمارے بہن بھائی ہیں، آپس کی بات ہے، میدان حشر میں نہ کوئی کسی کا بیٹا ہوگا نہ بھائی، نہ بہن، ہر شخص اپنی فکر میں پریشان و حیران ہوگا۔

اسی طرح اگر کسی پر تہمت لگائی ہے، کسی کو پریشان کیا ہے، کسی کی غیبت کی ہے، کسی کو نقصان پہنچایا ہے تو اس کو اس کی زندگی میں سب سے اہم کام جان کر معاملہ کو صاف کر لینا چاہیے، معاف کرا لے یا اس کا حق اس کو دے دے، باہمی حقوق اور معاملات میں ہم سے کوتاہی ہوتی ہے اور اکثر وہ ہمارے ذمہ باقی رہ جاتے ہیں، اس کی وجہ سے دنیا میں بھی ہمارے اندر سے محبت، تعلق، ایثار، قربانی ایک دوسرے کی مدد اور ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک ہونا سب ختم ہو جا رہا ہے اور گھر گھر تفرقہ اور باہمی منافرت پیدا ہوتی جا رہی ہے اور پورا معاشرہ برباد ہوتا جا رہا ہے اور آخرت میں جو پیش آئے گا وہ مذکورہ بالا حدیثوں سے پوری طرح سامنے آجاتا ہے۔

☆☆☆☆☆

دعائے مغفرت

☆ مولانا محمد شرف الدین ندوی ناظر مطبخ قدیم دارالعلوم ندوۃ العلماء کے والد محترم قربان علی کا ۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء بروز سنیچر صبح سات بجے تقریباً ۷۰ سال کی عمر میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆ سابق و مرکزی وزیر ضیاء الرحمٰن انصاری مرحوم کی ہمشیرہ اور شعبۂ قراءت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے استاد مولانا قاری محمد ریاض مظاہری کی خوش دامن کا طویل علالت کے بعد ۱۳/ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۳۰/ اکتوبر ۲۰۱۲ء کو لکھنؤ کے نرسنگ ہوم میں انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ عفو و درگذر کا معاملہ فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا کرے، قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆☆☆

ماہ رواں

محرم الحرام اور اس کے اعمال

مولانا عبدالقادر پٹنی ندوی

ماہ محرم الحرام اسلامی تقویم کا پہلا مہینہ اور اس کا پہلا دن سال کا پہلا دن ہے، یعنی نئے سال کی ابتداء یہیں سے ہوتی ہے، اقوام عالم کے طریقہ کو دیکھا جائے تو وہ تیوہار کا دن ہونا چاہیے، اور اس دن مسرت وخوشی کے اظہار کا ماحول قائم ہونا چاہیے جس طرح دیگر اقوام سال مبارک وغیرہ کے الفاظ سے ایک دوسرے کو مبارک باد دیتے ہیں۔

مگر عہد نبوی، عہد صحابہ، عہد تابعین، بلکہ دور دور تک کہیں یہ بات دیکھنے میں نہیں آتی۔ رات کے خیریت سے گزرنے اور دوسرے دن کے آفتاب کے طلوع پر "الحمد للّٰہ الذی أقالنا یومنا ھذا ولم یھلکنا بذنوبنا" یعنی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں دوبارہ یہ دن نصیب فرمایا اور ہمارے گناہوں کی نحوست سے ہم کو ہلاک نہیں فرمایا۔ اور نئے مہینہ کی آمد پر "الحمد للّٰہ الذی ذھب بشھر کذا وجاء بشھر کذا" کہ خدا کا شکر ہے جس نے فلاں مہینہ ہم سے لے کر فلاں دوسرا مہینہ عنایت فرمایا، مگر سال کے ختم پر اس طرح کی کوئی چیز دیکھنے میں نہیں آئی۔

جس طرح ایک طرف یہ بات ہے تو دوسری طرف یہ بات بھی ہے کہ سال کو ماتم اور غم سے شروع کرنا یہ بھی عقل اور نقل سے اور بھی زیادہ دور کی بات ہے۔

ہاں! اس مہینہ کی دسویں تاریخ کے بارے میں جس کو عاشوراء کہتے ہیں، اس سلسلہ میں کچھ چیزیں ضرور مذکور ہیں اور اسلامی تاریخ میں خلافت راشدہ کے بعد کے دور میں کچھ اہم واقعات بھی ضرور پیش آئے ہیں، ہم ان دونوں کو الگ الگ ذکر کرتے ہیں۔

جہاں تک عاشوراء کے فضائل کے سلسلہ میں احادیث کا تعلق ہے تو اس میں صحیح، حسن، ضعیف، بلکہ موضوع روایتیں تک مروی ہیں، اللہ تعالیٰ ان محدثین وبزرگان دین کو پوری امت کی طرف سے جزاء خیر عطا فرمائے جنہوں نے ہر بات کا صحیح مقام ودرجہ بیان فرمادیا۔

عاشوراء کی فضیلت کا تعلق اسلام سے بہت پہلے سے ہے، اگر کہا جائے کہ حضرت آدم علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانہ سے ہے تو غلط نہ ہوگا، حضرت آدم علیہ السلام کے توبہ کی قبولیت پھر حضرت نوح علیہ السلام کا طوفان سے نجات پانا، پھر اسی دن حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرعون اور فرعونیوں کی تعذیب سے خلاصی، یہ سب اسلام سے بہت پہلے کی باتیں ہیں جو روایات سے معلوم ہوتی ہیں، گرچہ انہیں بعض کو محدثین نے موضوع اور گڑھی ہوئی باتیں کہا ہے تاہم کچھ صحیح ہیں جن کو ذکر کیا جاتا ہے۔

یہودی اس دن روزہ رکھا کرتے تھے، بلکہ روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ اہل مکہ قریش بھی اس دن روزہ سے رہا کرتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن روزہ رکھا، بلکہ اس کی فرضیت تک معلوم ہوتی ہے جو رمضان کے روزوں کی فرضیت کے بعد ختم ہوگئی، لیکن اس دن کے روزہ کا استحباب اور فضیلت اب بھی باقی ہے چنانچہ اس سلسلہ کی بعض روایات حسب ذیل ہیں:

شیخ عبدالوہاب متقیؒ نے جامع کبیر میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے حدیث نقل کی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "عاشوراء کے دن روزہ رکھا کرو اور اس میں یہود کے برخلاف اس سے پہلے یا اس کے بعد ایک دن کا روزہ ملا لیا کرو" [رواہ احمد] حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "جس نے اپنے خاندان پر عاشوراء کے دن وسعت سے کام لیا، سال بھر اس کی روزی میں برکت و وسعت ہوگی"۔

بہر حال یہ وہ چیزیں ہیں جن کا ذکر احادیث میں ملتا ہے، مگر اس دن یا اس ماہ میں دس دن یا پورا مہینہ غم منانا کہیں بھی مذکور نہیں، بلکہ غم منانا تو اسلام میں کسی کی موت پر صرف تین دن ہے، ہاں اگر کسی عورت کے شوہر کا انتقال ہوگیا ہے اور حاملہ نہیں ہے تو اس کے لیے چار مہینے دس دن (ایک سوتیس) غم منانا، زینت کی چیزوں سے بچنا جائز، بلکہ ضروری ہے اور اگر حمل ہے تو صرف حمل سے فارغ ہونے تک عدت گذارے گی خواہ وہ ایک سوتیس دن سے کم ہو یا زیادہ۔

اسلامی تاریخ میں اس ماہ میں ایک المناک واقعہ کا پیش آنا

اس ماہ میں سیدنا حسینؓ کی شہادت اسلامی تاریخ کا ایک بہت ہی افسوس ناک واقعہ ہے، حضرت حسینؓ اور حضرت حسنؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چہیتے نواسے ہیں، دونوں (بڑے بھائی سیدنا حسنؓ اور چھوٹے بھائی سیدنا حسینؓ) کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنتی جوانوں کا سردار فرمایا ہے، انہیں مبارک ہستیوں سے سادات حسنی وحسینی کی نسل چلی ہے، ان سے محبت اللہ کے رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلم سے محبت کا جزء اور ایمان ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کامل محبت کے بغیر ایمان کا کمال ممکن نہیں ہے۔

ان سب باتوں کی وجہ سے اہل ایمان اہل بیت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرتے ہیں اور جن سے محبت ہوتی ہے ان کی تکلیف سے محبّ صادق کو تکلیف ہونا فطری امر ہے، مگر ہم کو صبر کا حکم ہے اور ہم صبر ہی کے مکلف ہیں، چیخنا چلانا، بالوں کا پراگندہ کرنا، سینہ کوبی، نوحہ خوانی، سب اسلام کے خلاف کی چیزیں ہیں، کیونکہ گویا یہ اللہ تعالیٰ کے فیصلہ سے ناراضگی اور اس پر اعتراض ہے جبکہ مومن کا طریقہ فیصلہ خداوندی پر رضا وتسلیم کا ہے، ﴿إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ کہ ہم خدا کی ملک ہیں اور اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، میں یہی تعلیم و تلقین ہے، نیز "رضیت باللّٰہ ربا" کہ میں اللہ رب العزت کو ہی اپنا مربی حقیقی مانتا ہوں اور اس کے ہر فیصلہ کو بخوشی تسلیم کرتا ہوں، میں بھی یہی ادب سکھا گیا ہے۔

اور اگر ان دنوں کو کوئی عید کی مسرت وخوشی کی تقریب کے طور پر مناتا ہے تو یہ اس کی اور بھی جہالت وبے دینی کی دلیل ہے، کیا کوئی اپنے باپ کی موت کی یاد خوشی کی تقریب کے طور پر مناتا ہے، افسوس صد افسوس ہے ایسے لوگوں پر جو ان دنوں کو اس طرح گذارتے ہیں کہ کبھی تو غم، ماتم، نوحہ وگریہ زاری کرتے ہیں تو کبھی نئے کپڑے اور لذیذ کھانے وغیرہ سے عید کی طرح مناتے ہیں۔

مزید برآں یاد تو شہداء کربلا کی مناتے ہیں جنہوں نے میدان جنگ تک میں نماز نہیں چھوڑی اور یہ لوگ اس یاد میں اس دن کئی کئی نمازیں چھوڑ تے ہیں، اس کو عقل پر پردہ پڑنا نہ کہا جائے گا تو کیا کہا جائے، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

موقع کی مناسبت سے شہادت کے بارے میں کچھ باتیں ذکر کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے۔

شہادت فی سبیل اللّٰہ

شہادت کا لفظ ہی اپنے اندر اتنا تقدس وعظمت اور شان رکھتا ہے کہ باوجود اس لفظ کے خالص عربی ہونے کے دوسری زبانوں میں اس کا ہم پلہ کوئی لفظ نہ ہونے کی وجہ سے اسی لفظ کو استعمال کیا جا رہا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے خصوصی انعام سے جن لوگوں کو نوازا ہے، مُنْعَمْ عَلَيْهِمْ جن کہا جائے گا، ان کے چا طبقات بیان کئے ہیں: ﴿أُولٰئِكَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولٰئِكَ رَفِيقًا﴾ ان میں ایک اہم طبقہ شہداء کا ہے۔

ایک جگہ شہداء کے بارے میں کہا گیا ہے: ﴿لاتقولوا لمن یقتل فی سبیل اللّٰہ أموات بل أحیاء عند ربھم یرزقون﴾ کہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں شہادت حاصل کرنے والوں کو مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کو انکے رب کے پاس سے روزی دی جاتی ہے۔

سب سے افضل موت اللہ تعالیٰ کے راستے میں شہادت ہے، عام طریقے سے جو موت میں تکلیف ہوتی ہے شہداء اس سے محفوظ رہتے ہیں، چیونٹی کاٹنے کی تکلیف اس کی موت کے لیے کافی ہوتی ہے۔

ان تمام فضائل کے باوجود شہداء کی وفات پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا غم منانا ثابت نہیں جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں بدر واحد میں کتنے صحابہؓ شہید ہوئے ہیں، حضرت حمزہؓ جن کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، بلکہ ان کو خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے "سید الشہداء" یعنی شہیدوں کا سردار فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی، کسی سال ان کی وفات کے دن غم نہیں منایا، نہ خلفاء کے دور میں کبھی شہید ڈے منایا گیا، تو کیا ہمارے لیے یہ مقدس ہستیاں نمونہ ہونی چاہئیں یا اور لوگ؟!

☆☆☆☆☆

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کی اہلیہ محترمہ کی وفات

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی رکن مجلس انتظامیہ ندوۃ العلماء لکھنؤ کی شخصیت علمی حلقوں میں محتاج تعارف نہیں، ان کی اہلیہ محترمہ جو ادھر عرصہ سے علیل تھیں اور گذشتہ ماہ سے لکھنؤ کے سہارا اسپتال میں زیر علاج تھیں، ۱۱ ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۲۸ اکتوبر ۲۰۱۲ء اتوار کو انتقال کر گئیں، انا للّٰہ وانا الیہ راجعون۔

تدفین کے لیے جنازہ اعظم گڑھ لے جایا گیا، جہاں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ناظم ندوۃ العلماء نے نماز جنازہ پڑھائی اور جامعہ اسلامیہ مظفر پور کے قبرستان میں تدفین عمل میں آئی نماز جنازہ میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، مولانا سید بلال حسنی ندوی، جناب شاہد حسین، مولانا محمود حسن حسنی ندوی، مولانا سید سلمان ثاقب ندوی اور اطراف کے علماء وعوام کی ایک بڑی تعداد شریک ہوئی اور نماز سے قبل حضرت ناظم ندوۃ العلماء نے ایک موثر خطاب بھی فرمایا۔

مرحومہ کے لیے ان کی اولاد صدقہ جاریہ ہے، جن میں خاص طور پر ندوی فاضل مولانا ڈاکٹر ولی الدین ندوی قابل ذکر ہیں جن کی حدیث اور رجال حدیث کے متعلق کئی اہم کتابیں منظر عام پر آچکی ہیں، خود مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی کے علمی کاموں میں بھی ان کا اس طور پر حصہ ہے کہ انھوں نے ان کو علمی کاموں میں یکسو رکھا۔

مرحومہ کے پسماندگان میں شوہر محترم کے علاوہ چھ لڑکے اور ایک لڑکی ہیں، بڑی دیندار اور غریب پرور تھیں، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل دے اور مرحومہ کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے آمین

☆☆☆

سوال و جواب

مفتی محمد ظفر عالم ندوی

سوال: عاشورہ یعنی دسویں محرم کے روزہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟

جواب: عاشورہ کا روزہ رکھنا مسنون ہے اور اس روزہ کا بہت ثواب ہے، ترمذی شریف کی حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عاشورہ کے روزہ کے سلسلہ میں فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ یہ روزہ پچھلے ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا۔ (ترمذی ۱/۱۸۵) علامہ کاسانیؒ نے صراحت کی ہے کہ عاشورہ کا روزہ مستحب ہے۔ (بدائع الصنائع ۲/۲۱۸۰)

سوال: دسویں محرم کے دن کی فضیلت کیا شہادت حسینؓ کی وجہ سے ہے یا اور کوئی وجہ ہے؟

جواب: دسویں محرم کے دن کی فضیلت خود اس دن کی وجہ سے ہے، اس دن بہت سے اہم واقعات وجود میں آئے، مسلم شریف میں حضرت عبداللہ ابن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ تشریف لائے تو یہودیوں کو دیکھا کہ وہ عاشورہ کے دن روزہ رکھتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال کیا کہ اس دن تم لوگ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ تو ان لوگوں نے جواب دیا کہ یہ وہ عظیم دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو فرعون اور اس کی قوم سے نجات دی تھی، اور فرعون اور اس کی قوم کو غرق کر دیا تھا، حضرت موسیٰ نے شکرانہ کے طور پر روزہ رکھا تھا اس لیے ہم بھی روزہ رکھتے ہیں، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کی اس صفت پر عمل کرنے کے تم سے زیادہ ہم حقدار ہیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو روزہ رکھنے کا حکم فرمایا، یہ پورا واقعہ مسلم شریف باب صوم عاشوراء جلد ۱، ص: ۳۵۹ میں موجود ہے، یہ واقعہ حضرت حسینؓ کی شہادت سے بہت پہلے کا ہے، اس لیے یہ کہنا کہ اس دن کی فضیلت حضرت حسینؓ کی شہادت کی وجہ سے ہے، صحیح نہیں ہے، بلاشبہ حضرت حسینؓ کی شہادت کا واقعہ تاریخ اسلامی کا اہم ترین واقعہ اور المیہ ہے، جس پر امت مسلمہ کو جس قدر غم ہو کم ہے، اور اس دن حضرت حسینؓ کی شہادت پر غمزدہ ہونا اور رہنا باعث اجر و ثواب ہے۔

سوال: بعض حضرات کا خیال ہے کہ دسویں محرم کو روزہ نہیں رکھنا چاہیے کیونکہ اس سے شیعیت کو تقویت ملتی ہے کیا یہ خیال درست ہے؟

جواب: یوم عاشورہ یعنی دسویں محرم کے دن روزہ رکھنے کی اہمیت اور فضیلت اس قدر ہے کہ اس کو کسی خدشہ کی وجہ سے ترک نہیں کیا جاسکتا ہے، خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے عاشورہ کے روزے رکھتے تھے اور صحابہ کرامؓ کو اس کا حکم فرماتے تھے حضرت حفصہؓ بیان فرماتی ہیں کہ چار عمل ایسے تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ترک نہیں فرماتے تھے (۱) عاشورہ کا روزہ، (۲) ذی الحجہ کے پہلے عشرہ (نو دنوں) کے روزے، (۳) ہر مہینہ کے تین روزے، (۴) اور فجر سے پہلے دو رکعت نماز۔ (نسائی ۱/۲۵۶) "باب کیف یصوم ثلاثۃ أیام من کل شھر" بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سوائے یوم عاشورہ کے روزہ کے کسی اور روزہ کا اہتمام کرتے نہیں دیکھا اور سوائے رمضان کے کسی پورے مہینہ کے روزہ رکھتے نہیں دیکھا۔ (بخاری، باب صیام عاشوراء، ج ۱/ص: ۲۶۸) حضرت جابر بن سمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم لوگوں کو عاشورہ کے دن روزہ کا حکم فرماتے، ترغیب دیتے اور ہماری نگرانی بھی فرماتے تھے مذکورہ روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کسی معمولی خدشہ کی وجہ سے اس قدر اہم اور فضیلت والے عمل کو ترک نہیں کیا جاسکتا ہے۔

سوال: کیا حدیث میں کہیں یہ ہے کہ دسویں محرم کو اپنی اولاد کو اچھا کھانا کھلانا چاہیے اور روزی میں وسعت اختیار کرنا چاہیے؟

جواب: علامہ ابن عابدین شامیؒ نے حضرت جابرؓ کی ایک روایت نقل کی ہے کہ جو شخص عاشورہ کے دن اپنے اہل وعیال کی روزی میں فراخی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ سال بھر فراخی کا معاملہ فرمائے گا۔ "من وسع علی عیالہ یوم عاشورۃ وسع اللہ علیہ السنۃ کلھا"۔ (رد المحتار ۲/۴۱۴)

اسی لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ ہر شخص اس دن اپنی وسعت کے مطابق اپنے اہل وعیال کو اور دنوں کے مقابلہ میں بہتر کھانا کھلائے۔

سوال: دسویں محرم کے روزہ کے ساتھ نویں محرم کو روزہ رکھنا افضل ہے یا گیارہویں کو؟ جو صورت زیادہ بہتر ہو اس کی رہنمائی کریں۔

جواب: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوم عاشورہ کا روزہ رکھو اور یہود کی مخالفت کرو کہ یوم عاشورہ سے پہلے یا اس کے بعد ایک دن کا روزہ اور رکھ لو۔ (ترمذی: ۱/۱۵۸، فتح الباری: ۴/۳۰۸) اس روایت سے معلوم ہوا کہ نویں یا گیارہویں دونوں میں کسی دن روزہ رکھا جاسکتا ہے، البتہ نویں اور دسویں محرم کو روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے، کیونکہ ابوداؤد کی روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اگر میں آئندہ زندہ رہا تو نویں تاریخ کو روزہ رکھوں گا لیکن زندگی نے وفا نہیں کی اور آپؐ دنیا سے پہلے ہی تشریف لے گئے۔ (ابوداؤد، باب فی صوم یوم عاشوراء: ۱/۳۳۲) اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند نویں اور دسویں محرم کی تاریخ تھی۔

☆☆☆☆☆

یوم عاشوراء۔ فضائل و اعمال

خالد فیصل ندوی

محرم الحرام اسلامی کلنڈر کا پہلا مہینہ ہے اور حرمت والے چاروں مہینوں (ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب) میں سب سے زیادہ حرمت و عظمت والا مہینہ ہے، دین اسلام اور سابقہ تمام ادیان میں اس مہینہ کی بڑی اہمیت ہے، قرآن اور احادیث مبارکہ میں اس مہینہ کی بڑی فضیلت و عظمت بیان ہوئی ہے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "بے شک مہینوں کی تعداد، اللہ تعالیٰ کے یہاں نوشتۂ الٰہی میں بارہ ہے، اسی دن سے جب سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے، ان میں سے چار حرمت والے ہیں، یہی درست دین ہے، تو تم ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو۔ [سورہ توبہ/۳۶]

اسی طرح حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے متعدد احادیث مبارکہ میں اس مہینہ کی خاص نسبت اللہ تبارک وتعالیٰ کی طرف کر کے اس مہینہ کو "شہر اللہ الحرام" یعنی اللہ تعالیٰ کا محترم ترین مہینہ قرار دیا ہے، اور اس مہینہ کو افضل ترین مہینہ کی بھی سند عالی عطا فرمائی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: "(رمضان کے بعد) تمام مہینوں میں افضل ترین مہینہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا وہ مہینہ ہے، جس کو تم محرم کہتے ہو"۔ [نسائی] حضرت علیؓ سے منقول روایت میں ہے کہ: "تمام مہینوں کا سردار محرم الحرام" ہے۔ [ماثبت بالسنۃ/۶] اسی وجہ سے حضرت امام حسن بصریؒ کی رائے یہ ہے کہ: "سب سے زیادہ فضیلت اور حرمت والا مہینہ محرم کا مہینہ ہے"۔ [لطائف المعارف/۵۷] اور امام حسن بصریؒ سے یہ مرسل حدیث بھی مروی ہے کہ: "رمضان کے بعد تمام مہینوں میں سب سے زیادہ فضیلت والا مہینہ محرم ہے"۔ [حاکم، ابن خزیمہ]

محرم الحرام نہایت ہی محترم، معظم اور مقدس مہینہ ہے، اس مہینہ کی عظمت، حرمت اور برکت تمام پچھلی امتوں اور امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تسلیم شدہ ہے، لیکن اس مہینہ کا پہلا عشرہ بہت ہی قدر و قیمت اور عظمت و حرمت والا ہے، یہی وجہ ہے کہ محرم الحرام کے پہلے دس دنوں کے اہتمام کا معمول ہمیشہ سے قائم و دائم ہے، حضرت ابوعثمان نہدیؒ نے بیان فرمایا ہے کہ اسلاف تین عشروں (رمضان کا آخری عشرہ، ذی الحجہ کا پہلا عشرہ اور محرم کا پہلا عشرہ) کی بڑی تعظیم و تکریم کیا کرتے تھے۔ [لطائف المعارف/۵۸] اور یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ محرم الحرام کا پہلا عشرہ وہ بابرکت عشرہ ہے جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کے لیے طے کردہ چالیس دن کو مکمل فرمادیا اور اس پہلے عشرہ کے آخری دن یوم عاشورا ہی میں حضرت سیدنا موسیٰؑ کو اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی (گفتگو) کی سعادت و سرفرازی حاصل ہوئی۔ اسی دن حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن دنیا میں تشریف لائے اور اسی دن حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی جودی پہاڑ پر ٹھہری اور اسی طرح حضرت ابراہیمؑ اسی دن پیدا ہوئے اور اسی دن دنیا کے سب سے بڑے اور سخت ترین امتحان "اسماعیلؑ کی قربانی" میں کامیاب ہوئے، اور اسی دن ان کے لیے نمرود کی آگ گل گلزار بن گئی، اسی طرح حضرت اسماعیلؑ کو اسی دن منیٰ میں ایک جنتی دنبہ کا فدیہ دے کر اللہ تعالیٰ نے قربان ہونے سے بچالیا، اور حضرت موسیٰؑ نے معجزاتی طور پر دریائے نیل میں پیدا شدہ راستہ کے ذریعہ فرعون سے نجات پائی اور حضرت عیسیٰؑ اسی دن پیدا ہوئے اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے، اور اسی دن حضرت یونسؑ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے اور ان کی توبہ قبول ہوئی اور اسی دن حضرت داؤدؑ کی توبہ بھی قبول ہوئی اور اسی دن حضرت یوسفؑ اندھے کنویں سے نکالے گئے اور اسی دن حضرت ایوبؑ طویل اور سخت بیماری سے شفایاب ہوئے، اور اسی دن حضرت سلیمانؑ کو نبوت اور حکومت ملی اور اسی عاشوراء کے دن حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم "غفر لہ ما تقدم من ذنبہ وما تاخر" کے طغرائے امتیاز سے شرف یاب ہوئے، الغرض یہ اور اس طرح کے بیش بہا لطف و کرم کا معاملہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے نیکوکار بندوں کے ساتھ فرمایا ہے، بعض اکابرین خاص طور پر علامہ عینیؒ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے ان احسانات، انعامات اور اکرامات کو اپنی اپنی کتابوں ("عمدۃ القاری"، "غنیۃ الطالبین") میں بہت ہی شرح وبسط کے ساتھ ذکر فرمایا ہے، حضرت علامہ عینیؒ نے یہ رقم فرمایا ہے کہ عاشوراء کو عاشوراء کہتے ہی اس وجہ سے ہیں کہ اس دن اللہ تعالیٰ کی طرف سے دس بڑے بڑے انعامات مخصوص بندوں کو عطا ہوئے ہیں۔ [عمدۃ القاری: ۱۱/۱۱۸]

عاشوراء کا دن خصوصی عزت و عظمت قدر و منزلت اور خیر و برکت کا جامع ہے اور تمام دنوں میں

اس دن کو خاص امتیازی شان، نرالی حیثیت اور نمایاں مقام حاصل ہے اور اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس دن زیادہ سے زیادہ اعمال خیر بجالا یا جائے، اس دن کیے جانے والے اعمال ہم بندوں کے لیے دنیا میں بہت زیادہ خیر و برکت کے ذریعہ اور آخرت میں عظیم اجر و ثواب کے باعث ہیں، احادیث مبارکہ میں عشرۂ محرم میں کیے جانے والے اعمال میں توبہ و استغفار، نفلی روزہ اور توسیع نفقہ مطلوب اور مستحسن ہیں نیز عاشوراء کے دن پچھلی شریعتوں میں بھی اعمال خیر مطلوب تھے، حضرت وہب ابن منبہؒ سے منقول ہے کہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو وحی کی کہ اپنی قوم کو آپ حکم دیجیے کہ محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں (اعمال خیر کے ذریعہ) میری قربت حاصل کریں، اور یوم عاشوراء کو میری طرف نکل آئیں تاکہ میں انہیں معافی دے دوں۔ [لطائف المعارف/۸۸]

محرم الحرام کے پہلے دس دنوں میں کیے جانے والے اعمال خیر اللہ کو بہت پسند ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان دنوں میں کیے جانے والے اعمال کا اجر و ثواب بہت زیادہ ہے، ذیل میں مطلوبہ اعمال، توبہ و استغفار، نفلی روزہ اور توسیع نفقہ کی مختصر تفصیل درج کی جاتی ہے۔

۱-توبہ واستغفار

یوم عاشوراء کا مطلوب و مستحسن عمل "توبہ و استغفار" ہے، حقیقت میں انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے، غلطیوں پر معافی مانگنا، توبہ و استغفار کرنا، اشرف المخلوقات انسان کی عبدیت اور اس کی سعادت و خوش نصیبی کی معراج ہے، اس سلسلہ میں قرآن و حدیث میں وارد آیات و احادیث کا تقاضا ہے کہ انسان اپنے خالق، مالک، اور حاکم سے توبہ و استغفار اور دعاء و مناجات کرے، خاص طور سے مبارک ماہ و ہفتہ، متعین دن و رات اور مخصوص اوقات و ساعات میں اس کا زیادہ سے زیادہ اہتمام کرے، ان ہی میں عاشوراء کا دن بھی ہے بلکہ عاشوراء کے دن تو اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس مبارک دن اپنے محبوب ترین حضرات انبیاء علیہم السلام کے رجوع و انابت، الحاح وزاری اور دعاء و مناجات کو ان کے مقام و مرتبہ کو بڑھانے کے لیے خوب خوب قبول فرمایا ہے خاص طور پر حضرت آدمؑ کی توبہ، حضرت یونسؑ کی توبہ اور حضرت داؤدؑ کی توبہ کو اللہ تعالیٰ نے قبولیت بخشی ہے، اسی طرح دیگر بہت سے لوگوں اور قوموں کی توبہ و معافی کو اللہ تبارک وتعالیٰ نے قبول فرمایا ہے، ایک روایت میں ہے کہ اس ماہ میں ایک ایسا دن (عاشوراء) ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول فرمائی ہے۔[ترمذی] اسی طرح روایات میں آتا ہے کہ عاشوراء ہی کے دن برادران یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ کی (سفارشانہ) دعاء کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے معاف فرمایا، نیز اسی دن قوم یونسؑ کو بھی معاف فرمایا اور ان کی توبہ قبول کی۔ [الایضاح:۲/۲۱۵] اسی طرح محرم الحرام کے پہلے عشرہ میں دعائیں بھی قبول ہوتی ہیں، چنانچہ حضرت زکریاؑ نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ ان کو ایک صالح لڑکا عنایت فرمائیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی۔[کتاب الایضاح بحوالہ دار قطنی]

مذکورہ بالا حقائق و معارف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عاشوراء کے دن، بندوں کا اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا نہایت ہی مستحسن کام ہے، ایک روایت کا آخری جملہ یہ ہے کہ: "یہ اللہ تبارک وتعالیٰ کا مہینہ ہے، جس میں اللہ تعالیٰ نے ایک قوم کی توبہ قبول کی ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ دوسری قوموں کی توبہ بھی قبول کرتے رہیں گے"۔[ترمذی] اس لیے ہم مسلمانوں کو چاہئے کہ انفرادی طور پر عاشوراء کے دن توبہ استغفار اور دعاء و مناجات کا خوب خوب اہتمام کریں، اور اللہ تعالیٰ سے تہہ دل سے، سال بھر کے تمام گناہوں کی معافی مانگیں اور آئندہ تمام گناہوں اور لغزشوں سے محفوظ و مامون رہنے کی والہانہ دعاء و مناجات کریں، اس زریں موقع پر حضرت آدمؑ اور حضرت حوا علیہما السلام والصلوٰۃ کی مقبول قرآنی دعاء کا زیادہ سے زیادہ ورد کریں، وہ مقبول دعاء یہ ہے:

﴿رَبَّنَا ظَلَمْنَا أَنْفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾۔[سورہ اعراف/۲۳]

۲-نفلی روزہ

یوم عاشوراء کا سب سے زیادہ مطلوب، محمود اور مبارک عمل "روزہ" رکھنا ہے کیونکہ اس دن روزہ رکھنا حضرات انبیاء علیہم السلام خاص طور پر حضرت نوحؑ، حضرت موسیٰؑ اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوب ترین سنت ہے، ایک حدیث میں ہے کہ: "یوم عاشوراء کا روزہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام رکھا کرتے تھے، تو (اے میرے صحابہؓ) تم لوگ بھی اس دن کا روزہ رکھا کرو"۔ [درمنثور] اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (عاشوراء کے دن) روزہ رکھا اور لوگوں کو (اس دن روزہ رکھنے کا) حکم دیا"۔[بخاری و مسلم] اور حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم عاشوراء کا روزہ رکھتے تھے"۔[بزار] اور ام المومنین حضرت حفصہؓ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار چیزیں نہیں چھوڑتے تھے: عاشوراء کا روزہ، ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کا روزہ، ہر ماہ کے

ایام بیض [۱۳،۱۴،۱۵] کے روزے، اور فجر کی دو رکعت سنت"۔[مسند احمد، نسائی] نیز بہت سے لوگ خاص طور پر قوم یہود اور قبیلہ قریش اس دن روزہ رکھنے کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے، یقیناً اس روزہ کی بڑی فضیلت و عظمت ہے اور یہ روزہ بہت ہی زیادہ خیر و برکت کا باعث ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "اللہ تبارک وتعالیٰ سے مجھے امید ہے کہ یوم عاشوراء کا روزہ گزشتہ ایک سال کے گناہوں کا کفارہ بن جائے گا"۔[مسلم] علامہ عینیؒ نے بیان کیا ہے کہ بعض لوگوں نے کہا ہے کہ عاشوراء کا روزہ آخرت کے سال کے اعتبار سے ایک ہزار سال کے برابر ہے۔[عمدۃ القاری]

یہ بات قابل ذکر ہے کہ رمضان المبارک کے روزہ کے بعد یوم عاشوراء کا روزہ رکھنا مستحب عمل ہے، ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ: "اب (رمضان المبارک کے روزہ کی فرضیت کے بعد) جو چاہے، عاشوراء کا روزہ رکھے اور جو چاہے روزہ نہ رکھے"۔[بخاری و مسلم] اور حضرت جابر بن سمرہؓ سے روایت ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم یوم عاشوراء کے روزہ (رکھنے) کا حکم دیتے تھے اور اس کی ترغیب دیتے تھے، پھر جب رمضان کا روزہ فرض ہوگیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ عاشوراء کے روزہ کا حکم فرماتے نہ منع فرماتے اور نہ اس کا عہد و پیمان لیتے تھے"۔ [مسلم] یہ اور اس قبیل کی حدیثوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ رمضان کے روزہ کی فرضیت کے بعد عاشوراء کا روزہ رکھنا مستحب عمل ہے اور اسی پر اہل علم اور اصحاب فقہ کا اتفاق ہے، چنانچہ درس ترمذی میں مذکور ہے کہ: "اس پر اتفاق ہے کہ صوم عاشوراء مستحب ہے"۔ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ تمام نفلی روزوں میں عاشوراء کا روزہ، اس لحاظ سے سب سے زیادہ اہم ہے کہ رمضان کے روزہ کی فرضیت سے پہلے یہی روزہ فرض تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات صحابہ کرامؓ عاشوراء اور ہر مہینہ کے ایام بیض کے روزوں کا بڑا اہتمام کیا کرتے تھے، چنانچہ حضرت معاذؓ سے مروی حدیث میں ہے کہ: "آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد مدینہ میں ہر ماہ کے تین روزے اور یوم عاشوراء کے روزہ رکھنے کا اہتمام فرمایا"۔ [مسند احمد]

۳-توسیع نفقہ

یوم عاشوراء کا ایک اور مطلوب عمل توسیع نفقہ ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اس مبارک دن انسان کھانے پینے میں اپنے اہل و عیال پر عام معمولات سے کچھ زیادہ خرچ کرے، مختلف روایات مبارکہ میں اس کی بڑی مؤثر ترغیب دی گئی ہے، چنانچہ حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص عاشوراء کے دن اپنے اور اپنے اہل و عیال پر خرچ و نفقہ میں فراخی و کشادگی کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر پورے سال کشادگی و وسعت فرمائیں گے، اور حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حدیث کی ترغیب (توسیع نفقہ) پر تجربہ کیا تو ایسا (سال بھر خوشحالی اور برکت) ہی پایا۔[الاستذکار]

یہ حدیث اکابر صحابہ کرامؓ حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت ابوسعیدؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے کئی سندوں سے مروی ہے، ان سندوں میں کچھ سند صحیح، کچھ حسن اور کچھ ضعیف ہیں چنانچہ علامہ سیوطیؒ نے اس حدیث کو جامع صغیر میں طبرانی اور بیہقی کے حوالہ سے بیان کیا ہے اور اس کے صحیح ہونے کی علامت لگائی ہے، اسی طرح حضرت جابرؓ سے مروی حدیث بالا کی حضرت ابوالزبیرؒ والی سند بھی ہے، یہ سند صحیح ہے، اس سند کو علامہ ابن عبدالبرؒ نے استذکار میں ذکر فرمایا ہے، علامہ عراقیؒ نے اس سند کے متعلق کہا ہے کہ یہ سند "مسلم" کی شرط پر ہے، اور یہ سند اس حدیث کی سب سے صحیح ترین سند ہے۔[شمائل کبریٰ بحوالہ مرعاۃ] اور علامہ سیوطیؒ نے "الدرر" اور "الموضوعات" میں علامہ سخاویؒ نے "مقاصد حسنہ" میں اور علامہ عجلونیؒ نے "کشف الخفاء" میں علامہ عراقیؒ کے مذکور حکم و فیصلہ کو نقل فرمایا ہے، اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ سے مروی حدیث کی ایک سند صحیح ہے، حافظ ابوالفضل بن ناصرؒ نے اس حدیث کے بعض طرق کو صحیح قرار دیا ہے۔[شمائل کبریٰ بحوالہ مقاصد حسنہ، کشف الخفاء] اور حضرت عمر فاروقؓ والی روایت کو حضرت دار قطنیؒ نے "افراد" میں نقل فرمایا ہے اور اس کی سند جید ہے۔[بحوالہ مقاصد حسنہ] اور حضرت عمرؓ والی حدیث کی ایک روایت حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے بھی ہے، اس کی تخریج امام دار قطنیؒ نے "افراد" میں کی ہے، یہ روایت سب سے صحیح ترین روایت ہے۔[ایضا] اور یہ حقیقت بھی قابل ذکر ہے کہ اس حدیث کی جو روایتیں ضعیف ہیں، ان میں تعدد طرق کی وجہ سے یہ روایتیں "حسن لغیرہ" کے درجہ میں ہیں، اور عہد نبوت سے اس حدیث پر امت کا تعامل اس کی صحت کی قوی دلیل ہے، یہ تعامل اور اکابر امت کا عملی تجربہ بھی اس کی صحت اور اس کے ثبوت پر حجت ہے، اس حدیث پر عملی تجربہ کرنے والوں میں حضرت جابرؓ، حضرت یحییٰ بن سعیدؒ، حضرت سفیان ثوریؒ، حضرت سفیان بن عیینہؒ، حضرت ابو زبیرؒ اور حضرت شعبہؒ سرفہرست ہیں، ان اصحاب علم و فضل نے توسیع نفقہ والی حدیث کا عملی تجربہ کیا اور الحمد اللہ سال بھر (حسب مژدۂ نبوی) توسیع نفقہ کی برکت محسوس کی، چنانچہ حضرت سفیان

بن عیینہ کا بیان ہے کہ میں نے اس حدیث کی برکت کا تجربہ پچاس ساٹھ سال کیا تو میں نے صرف اور صرف خیر ہی پایا۔[لطائف المعارف/۸۶]

مذکورہ حقائق کے باوجود امت محمدیہ علے صاحبھا الصلوٰۃ والسلام میں ایک جماعت آج بھی ایسی ہے جو توسیع نفقہ کی مخالف ہے، اور علامہ ابن جوزیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ اور علامہ عقیلیؒ وغیرہ کی رائے پر کاربند ہے، ان حضرات نے توسیع نفقہ والی حدیث کو ضعیف قرار دیا ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ، علامہ زین الدین عراقیؒ، اور حضرت ابوالفضل بن ناصرؒ نے اس حدیث کو صحیح قرار دیا ہے، اور اصحاب علم ومعرفت کی ایک جماعت بالخصوص امام بیہقیؒ، امام ابن حبانؒ اور صاحب مشکوٰۃ وغیرہ نے اس حدیث کو حسن قرار دیا ہے اور اس حدیث کے تعدد طرق کی بناء پر محدث دہلوی حضرت شیخ عبدالحقؒ نے اس حدیث کو "حسن لغیرہ" قرار دیا ہے اور فرمایا ہے کہ: "یہ روایت حسن لغیرہ ہے اور قابل عمل ہے"۔[ماثبت بالسنۃ] اور حضرت علامہ مناویؒ نے توسیع نفقہ والی حدیث کے منکرین کی تردید کی ہے۔[فیض القدیر] اسی طرح منکرین کی سخت نکیر کرتے ہوئے علامہ سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ ہرگز نہیں، (توسیع نفقہ والی) یہ حدیث ثابت شدہ اور صحیح ہے۔[شمائل کبریٰ بحوالہ موضوعات کبیر/۳۳۴]

یقیناً عاشوراء کے دن توسیع نفقہ کا عمل بہت ہی خیر وبرکت والا ہے، اکابر امت کے تعامل اور تجربات کی بناء پر قابل عمل ہے، اس لیے ہم مسلمانوں کے لیے مناسب یہ ہے کہ عاشوراء کے دن روزہ رکھا جائے، افطار اور رات کے کھانے وغیرہ میں عام دنوں سے کچھ زیادہ اہتمام کرلیا جائے، البتہ اس سلسلہ میں غلو وزیادتی سے بچا جائے، اور انفرادی طور پر خورد ونوش میں فراخی و کشادگی اختیار کی جائے، حدیث شریف کا تقاضہ انفرادیت ہے، اجتماعیت مطلوب نہیں۔

مذکورہ بالا اعمال خیر (توبہ واستغفار، روزہ اور توسیع نفقہ) احادیث مبارکہ سے ثابت ہیں، ان احادیث اور دیگر احادیث مبارکہ کا تقاضا یہ ہے کہ ہم تمام اپنی زندگی کے ماہ وسال خصوصاً عاشوراء کے دن اوامر الٰہی کو بجالائیں، اعمال صالحہ اور دیگر تمام حسنات وطاعات کی پابندی کریں، نواہی وممنوعات رسوم وروایات اور بدعات وخرافات سے دوری اختیار کریں اور ہر قسم کے ظلم وزیادتی، فتنہ وفساد اور انتشار وانارکی سے بچیں کیوں کہ سورہ توبہ کی آیت/۳۶ میں مذکور ہے: ﴿لَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ﴾ (اپنے آپ پر ان حرمت والے مہینوں میں ظلم نہ کرو) کا یہی مطلوب اور مقصود ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اس دن اہل کتاب کی مسرت و شادمانی کے مختلف طریق وانداز سن کر یہ حکم فرمایا کہ: "تم تمام (صحابہ کرامؓ) صرف روزہ رکھو"۔ [بخاری ومسلم]

قرآنی اصطلاح میں کفر وشرک، شریعت کی خلاف ورزی، حدود وقیود الٰہی سے تجاوز، کتاب و سنت کی مخالفت اور منکرات وسیئات کے ارتکاب کو "ظلم" کہا جاتا ہے، یہ تمام چیزیں سال کے ہر دن اور ہر ساعت میں معیوب اور قبیح ہیں، لیکن حرمت والے مہینوں میں خاص طور سے محرم الحرام کی دسویں تاریخ "عاشوراء" کو مذکورہ بالا معاصی اور اس قسم کے تمام گناہوں اور ہر دور کی نت نئی بدعات وخرافات میں اپنے آپ کو ملوث کرنے سے اللہ تبارک وتعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کچھ نہ بگڑے گا بلکہ انسان خود اپنے آپ پر ظلم کرے گا اور ان میں موجود برکات الٰہی سے اپنے کو محروم کرلے گا اور اپنے آپ کو بڑا خسارہ اور نقصان پہنچائے گا، چنانچہ اکابر مفسرین نے اس طرف بڑی توجہ دلائی ہے، امام رازیؒ نے سورۂ توبہ کی آیت/۳۶ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ: "ان مہینوں کی حرمت کا مطلب یہ ہے کہ ان مہینوں میں طاعت کا ثواب بھی زیادہ ہوگا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں اور گناہوں پر عذاب اور وبال بھی سخت ہوگا۔" [تفسیر کبیر] اور امام ابن کثیرؒ نے یوں تحریر فرمایا ہے کہ: "ان مہینوں کی حرمت اب بھی باقی ہے اور اخیر تک باقی رہے گی، اسلاف کا یہی مذہب ہے، اس کا تقاضہ یہ ہے کہ اس کی عظمت وحرمت کو دل سے تسلیم کیا جائے، اللہ تعالیٰ کے محرمات یعنی جن باتوں سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے، ان سے پورے طور پر احتراز کیا جائے، یہی اس کی حرمت کا مطلب ہے"۔ [تفسیر ابن کثیر]

اس لیے ہم تمام اہل ایمان کو چاہیے کہ اس دن معاشرہ میں پھیلے تمام مشرکانہ اعمال وحرکات اور بدعات وخرافات خاص طور پر نوحہ وماتم، تعزیہ و علم، نذر ونیاز، اور اس سے وابستہ تمام دیگر رسوم و روایات سے بالکل دور رہیں اور جزئی شرکت سے بھی کنارہ کشی کریں کیوں کہ یہ سارے امور بدعت اور ممنوع ہیں، ان چیزوں سے بچنا ہر اہل ایمان کی پہلی ذمہ داری ہے، بلاشبہ ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی دخول جہنم کا ذریعہ ہے اور جہنم بہت برا ٹھکانہ ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم تمام اہل ایمان کو ہر طرح کے فتنہ وشر سے اور بدعات وخرافات سے محفوظ رکھے اور خیر کثیر کی توفیق دے اور آخرت میں جہنم سے بچائے، اور جنت الفردوس میں داخل فرمائے۔ آمین!

☆☆☆☆☆

زبان وادب

اہل دل کا کلام

محمد وثیق ندوی

اہل دل کے بیانات ومواعظ اور مکاتیب زور قلم، قوت بیانی اور حسن انشاء کا بھی اعلیٰ نمونہ ہیں اور ان کے بہت سے ٹکڑے اس قابل ہیں کہ دنیا کے بہترین ادبی نمونوں میں شامل اور "ادب عالی" میں شمار کیے جائیں۔ دنیا کی اکثر زبانوں اور علم وادب کے بارے میں یہ زیادتی کی گئی ہے کہ صرف ان شخصیتوں کو ادیب، صاحب اسلوب اور انشاء پرداز تسلیم کیا گیا ہے اور انہی کی تحریر اور نتائج فکر کو ادب کے نمونہ کی حیثیت سے پیش کیا گیا ہے، جنہوں نے ادب وانشاء کو ایک پیشہ، یا ذریعۂ اظہار کمال کے طور پر انتخاب کیا، یا جو قدیم زمانہ میں امراء، حکام کے دربار سے متعلق تھے، اور کوئی تحریری خدمت ان کے سپرد تھی، یا جنہوں نے انشاء میں صناعی اور تکلف سے کام لیا، اس کا نتیجہ ہے کہ عربی ادب کی تاریخ میں انشاء پرداز صاحب اسلوب کی حیثیت سے ہمیشہ عبد الحمید الکاتب، ابواسحاق الصابی، ابن العمید، صاحب ابن عباد، ابوبکر خوارزمی، ابوالقاسم حریری اور قاضی فاضل کا نام لیا جاتا ہے، حالانکہ ان کی تحریروں کا بڑا حصہ مصنوعی، زندگی اور روح سے محروم اور تاثیر سے خالی ہے، ان کے مقابلہ میں امام حسن بصریؒ، فضیل بن عیاضؒ، بشر الحافیؒ، حارث المحاسبیؒ، جنید بغدادیؒ، امام غزالیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، ابن جوزیؒ، جلال الدین رومیؒ، علامہ ابن تیمیہؒ، ابن شدادؒ، شیخ محی الدین ابن عربیؒ، ابوحیان توحیدیؒ، ابن قیمؒ، ابن خلدونؒ کہیں بڑھ کر انشاء پرداز کہلانے کے مستحق ہیں اور ان کے کلام اور تصنیفات میں صحیح اور طاقتور انشاء، خیالات اور جذبات کے اظہار اور انسانی تاثرات و احساسات کی تصویر کے نہایت دلکش اور دل آویز نمونے ہیں، لیکن ان بے گناہوں کا گناہ یہ ہے کہ انہوں نے کبھی ادب وانشاء کو اپنا مستقل پیشہ یا اظہار کمال کا ذریعہ نہیں بنایا، اور ان کی اکثر تحریروں کا موضوع دینی یا علمی ہے۔

تحریر وتقریر کو بہتر وکامیاب بنانے کے لیے جتنی صفات اور صلاحیتیں اور بلاغت کے اصول و قوانین ضروری ہیں، ناقدین ادب نے ان سب کا جائزہ لیا ہے اور ہر عہد میں ان پر بحث ہوتی رہی ہے، لیکن بہت کم لوگوں کو اس کا احساس ہوا ہے کہ ان صفات اور صلاحیتوں میں ایک بڑا مؤثر اور ناقابل فراموش عنصر یا عامل صاحب کلام کا اخلاص اور دردمندی ہے۔ ادب وانشاء کے ذخیرہ کا اگر ایک نئے اور زیادہ حقیقت پسندانہ اور گہرے نقطۂ نظر سے جائزہ لیا جائے تو اس کو دو قسموں پر تقسیم کرنا بے جا نہ ہوگا۔ ایک وہ تحریریں اور اظہار خیال جو اندرونی تقاضہ اور داعیہ اور کسی طاقتور عقیدہ یا یقین کے ماتحت وجود میں آئیں اور ان سے مقصود کسی فرمائش یا حکم کی تعمیل، یا کوئی دنیاوی منفعت، یا کسی صاحب اقتدار یا صاحب ثروت انسان کی رضامندی نہیں تھی، بلکہ وہ خود اپنے ضمیر یا عقیدہ کے فرمان کی تعمیل تھی جس میں اہل حکومت اور اہل ثروت کے فرمان سے زیادہ قوت ہوتی ہے اور جس سے سرتابی کرنا کسی صاحب ضمیر انسان کے بس میں نہیں ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جو کسی فرمائش کی تعمیل یا کسی دنیاوی منفعت کے حصول یا کسی بالاتر انسان کے حکم کی تعمیل میں ہو۔

ادب کی ان دونوں قسموں میں زمین آسمان کا فرق ملے گا۔ پہلا ادب "ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد" کا مصداق ہے، وہ طویل عرصہ تک زندہ رہتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ ہے کہ اگر اس کا موضوع دینی یا اخلاقی ہے تو اس کا قلب اور اخلاق پر گہرا اور انقلاب انگیز اثر پڑتا ہے، ہزاروں آدمیوں کے دل میں اس کے پڑھنے سے اصلاح کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف دوسری قسم کا ادب داد وتحسین اور عارضی سرور وخوش وقتی کے سوا روح اور قلب پر اپنا کوئی دیرپا اثر نہیں چھوڑتا۔ اس کی زندگی اور عمر محدود اور مختصر ہوتی ہے۔ پہلے ادب میں بے ساختگی اور بے تکلفی ہوتی ہے۔ دوسرے ادب میں صنعت اور اہتمام، ادب کی بارگاہ میں بے ادبی نہ ہو تو ان دونوں قسموں میں وہی فرق ہے جو ایک تمثیلی حکایت میں بیان کیا گیا ہے کہ کسی نے ایک شکاری کتے سے پوچھا کہ: "ہرن بھاگنے میں تم سے کیوں بڑھ جاتا ہے اور تم اس کو کیوں نہیں پکڑ لیتے؟" اس نے جواب دیا: "اس لیے کہ وہ اپنے لیے دوڑتا ہے اور میں اپنے آقا کے لیے"۔ [تاریخ دعوت وعزیمت، از: مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ: ۳/۲۴۱-۲۴۴]۔

بعض حکماء نے لکھا ہے کہ ادب کے باب میں لوگوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دنیادار (۲) دیندار (۳) صوفیاء۔ جہاں تک دنیادار ادبا کا تعلق ہے تو ان کے ادب میں فصاحت وبلاغت اور علم کا عنصر غالب ہوتا ہے اور منظوم اور منثور کلام کا اعادہ ہوتا ہے۔ اور دین دار ادبا کے ادب میں تزکیۂ نفس، زہد وتقشف، کسر نفس، ترک خواہشات اور دینی حدود کی پابندی کا غلبہ ہوتا ہے۔ رہا صوفیا کا کلام تو اس میں طہارت وتقویٰ، ذکر وعبادت، ایفائے عہد، دل کی پاکیزگی، معاملات کی درستگی، قرب الٰہی اور رضائے الٰہی کے حصول میں حسن ادب وصدق طلب، اخلاص و للّٰہیت کا پرتو اور عشق ومستی سے بھرپور اور معرفت و محبت کا شراب طہور نظر آتا ہے۔ [رسالۃ

المسترشدین، از حارث محاسبی، تحقیق شیخ عبد الفتاح ابوغدہ]

علامہ ابن قیم الجوزیہ نے دل کی تین قسمیں بیان کی ہیں: (۱) پاک دل (۲) مردہ دل (۳) بیمار دل۔

"پاک اور صحیح دل وہ دل ہے، جس کا حامل ہی قیامت کے دن نجات پائے گا، ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿یَوْمَ لَا یَنْفَعُ مَالٌ وَّلَا بَنُوْنَ، اِلَّا مَنْ اَتَی اللّٰہَ بِقَلْبٍ سَلِیْمٍ﴾ [سورہ شعراء: ۸۸-۸۹] (جس دن نہ مال ہی کچھ فائدہ دے سکے گا اور نہ بیٹے، ہاں جو شخص خدا کے پاس پاک دل لیکر آیا وہ بچ جائے گا)، لہٰذا پاک دل وہ ہے جو ہر طرح کے شرک سے پاک وصاف ہو، بلکہ اس کا ہر ہر عمل اللہ ہی کے لیے ہو، قصد وارادہ، تعلق ومحبت، توکل و انابت اور خوف ورجاء، ہر حال میں مالک حقیقی اللہ رب العالمین ہی کی رضا پیش نظر ہو۔

مردہ دل اس کے برعکس ہے، اس میں نہ تو زندگی ہوتی ہے اور نہ ہی معرفت الٰہی، نہ تو اس میں عبادت وبندگی کا رتی برابر جذبہ ہوتا ہے اور نہ ہی حب الٰہی اور خوف خدا، بلکہ وہ خواہشات کا رسیا اور نفس کا غلام ہوتا ہے۔

بیمار دل وہ ہے جس میں زندگی تو ہوتی ہے لیکن بیماری وفساد کا مادہ بھی ہوتا ہے، گویا کہ اس میں دو مادے ہوتے ہیں، جو ایک دوسرے کی مدد کرتے رہتے ہیں، اور جب جس مادہ کا غلبہ ہو جاتا ہے دل اسی کے راستہ پر چل پڑتا ہے، لہٰذا اس میں حب خدا، خوف خدا، ایمان باللہ، توکل علی اللہ اور للّٰہیت بھی ہوتی ہے جو اس کے صحت مند اور زندہ رہنے کا مادہ ہے، اور اس میں حب نفس، بغض وحسد، کبر ونخوت، عجب پسندی، استعلاء وبڑائی اور غرور وتکبر بھی پایا جاتا ہے جو اس کی ہلاکت وبربادی اور فساد کا سبب بنتا ہے۔

لہٰذا پاک دل زندہ، صالح، خاشع، نرم اور بیدار دل ہے، دوسرا خشک اور مردہ ہوتا ہے، اور تیسرا بیمار ہوتا ہے جو کبھی صحیح راہ پر چلتا ہے اور کبھی فساد اور بگاڑ کی طرف"۔ [طب القلوب از علامہ ابن قیم الجوزیہ، ص: ۳۴-۳۹]

دل کا اثر صرف انسان کے اعمال واخلاق اور سلوک ہی پر نہیں پڑتا، بلکہ علماء ادب کہتے ہیں کہ اس کا انسان کے کلام پر بھی پڑتا ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل دل کا کلام اس کلام سے جدا ہوتا ہے جو دل سے نہیں نکلتا۔ جاحظ نے "البیان والتبیین" میں عامر بن عبد القیس کا قول نقل کیا ہے کہ "جو بات دل سے نکلتی ہے وہ سیدھے دل میں گھر کر جاتی ہے، اور جو بات صرف زبان سے نکلتی ہے وہ کانوں سے آگے نہیں بڑھتی"، ہر کہ از دل خیزد بر دل ریزد۔

حسن بصری رضی اللہ عنہ نے ایک بے اثر واعظ کے کلام کو سن کر کہا تھا کہ "اے واعظ خشک! یا تو تیرے دل میں کوئی خرابی ہے یا پھر میرے دل میں"۔

سیرت وسوانح اور تاریخ کی کتابوں میں صلحاء، زہاد، پابند شریعت علماء اور اہل دل کے مؤثر کلام کا بیش بہا خزینہ موجود ہے، اور تزکیۂ نفس، طہارت قلب اور سنگ دلوں کی اصلاح وتربیت میں اہل دل کے مواعظ کی حیرت انگیز اثر آفرینی کے سیکڑوں واقعات اور حکایات موجود ہیں، جو ادب عالی کا شاہکار ہیں، لیکن مصنوعی ادب کے پروردہ اور دلدادہ حضرات نے اس پر توجہ نہ دی، سوانح نگاروں اور مؤرخین نے ایسے سیکڑوں اہل دل حضرات کا تذکرہ کیا ہے، جن کے مواعظ نے دلوں کی دنیا بدل دی۔

ان میں ایک ابوسعید حسن بصری (متوفی ۱۱۰ھ) ہیں، جن کے وعظ کی اثر آفرینی کا نتیجہ تھا کہ فرزدق جیسا بلا کا مے نوش شاعر آپ کی مجلس میں اپنی بدکرداری سے رو رو کر توبہ کرتا تھا، ایک بار تو اس نے اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا اور یہ عہد کیا کہ جب تک وہ قرآن مجید حفظ نہیں کر لے گا اس وقت تک رسی نہیں کھولے گا، فرزدق نے اپنے ان احوال کو مختلف قصیدوں میں بیان کیا ہے، تراجم اور سوانح کی کتابیں حسن بصری کے مواعظ کی تاثیر کے قصوں سے بھری ہوئی ہیں۔

مشہور امام لغت ونحو ابوعمرو بن العلا کہتے ہیں کہ میں نے حسن بصری اور حجاج بن یوسف سے بڑھ کر فصیح نہیں دیکھا اور حسن حجاج سے زیادہ فصیح تھے"۔

مثال کے طور پر حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ اپنے ایک وعظ میں کہتے ہیں:

"ہائے افسوس! لوگوں کو امیدوں اور خیالی منصوبوں نے غارت کیا، زبانی باتیں ہیں، عمل کا نام و نشان نہیں، علم ہے مگر اس کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے صبر نہیں، ایمان ہے مگر یقین سے خالی، آدمی بہت نظر آتے ہیں مگر دماغ نایاب، آنے جانے والوں کا شور ہے مگر ایک بندۂ خدا ایسا نظر نہیں آتا جس سے دل لگے، لوگ داخل ہوئے اور پھر نکل گئے، انہوں نے سب کچھ جان لیا پھر مکر گئے، انہوں نے پہلے حرام کیا پھر اسی کو حلال کر لیا، تمہارا دین کیا؟ زبان کا ایک چٹخارہ! اگر پوچھا جاتا ہے کیا تم روز حساب پر یقین رکھتے ہو؟ تو جواب ملتا ہے کہ ہاں ہاں! قسم ہے روز جزا کے مالک کی، غلط کہا، مومن کی شان تو یہ ہے کہ وہ قوی فی الدین ہو، صاحب ایمان ویقین ہو، اس کے علم کے لیے حلم اور اس کے حلم کے لیے علم باعث زینت ہو، عقلمند ہو، لیکن نرم خو، اس کی خوشپوشی اور ضبط اس کے فقر وافلاس کی پردہ داری کرے، دولت ہو تو اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹنے پائے، خرچ کرنے میں شفیق، خستہ حالوں کے حق میں رحیم و کریم، حقوق کی ادائیگی میں کشادہ دست وفراخ دل، انصاف میں سرگرم وثابت قدم، کسی سے نفرت ہو تو اس کے حق میں زیادتی نہ ہونے پائے، کسی سے محبت ہو تو اس کی مدد میں حدِ شریعت سے نہ بڑھنے پائے"۔ [تاریخ دعوت وعزیمت: ۱/۵۸]

مشہور اہل دل میں جن کے کلام کو مؤرخین ادب نے ادب میں شمار کیا ہے اور ان کے مؤثر مواعظ کا تذکرہ سوانح اور تاریخ کی کتابوں میں جا بجا ملتا ہے مندرجہ ذیل ہستیاں ہیں:

فضیل بن عیاضؒ متوفی ۱۸۷ھ، ابومحفوظ معروف ابن فیروز کرخیؒ متوفی ۲۰۰ھ، ابوالفیض ذوالنون مصریؒ متوفی ۲۴۵ھ، حارث محاسبیؒ متوفی ۲۴۳ھ، ابوالحسن سری بن المغلس بن السقطیؒ متوفی ۲۵۳ھ، ابومحمد سہل بن عبداللہ تستریؒ متوفی ۲۸۳ھ، ابوالقاسم جنید بن محمد بن جنید بغدادیؒ متوفی ۲۹۷ھ، احمد بن محمد بن سہل بن عطاءؒ متوفی ۳۰۹ھ، ابوالقاسم عبد الکریم بن ہوازن قشیریؒ صاحب "الرسالہ" متوفی ۴۶۵ھ، حجۃ الاسلام ابوحامد محمد غزالیؒ متوفی ۵۰۵ھ صاحب احیاء العلوم، شیخ عبد القادر جیلانیؒ متوفی ۵۶۱ھ، ابوالفرج عبد الرحمن ابن جوزیؒ متوفی ۵۹۷ھ، وغیرہم۔

ان اہل دل حضرات کے حکیمانہ اقوال اور مؤثر مواعظ آج بھی وہی تازگی، حلاوت، لطافت اور تاثیر رکھتے ہیں جو اول روز ان میں موجود تھی، ان میں ذہنی وعقلی افکار وخیالات، قلبی ودلی احساسات وجذبات اور نفسیاتی رجحانات ومیلانات کی ترجمانی پائی جاتی ہے، ان کے مواعظ تیر ونشتر کا کام کرتے ہیں، اور اپنی دل آویزی اور دل نشینی کے علاوہ اس دور کی فصیح وبلیغ زبان اور اعلیٰ ادب کا نمونہ ہیں۔ ان کے مطالعہ سے دل میں گداز اور نرمی پیدا ہوتی ہے، شعور ووجدان میں بالیدگی واہتزاز پیدا ہوتا ہے اور زندگی کا رخ اور دھارا بدل جاتا ہے۔ اور حقیقی معنوں میں ادب وہی ہے جو انسان کے شعور ووجدان کو مہمیز لگائے اور زندگی کو تعمیری رخ پر لگا دے۔

ہندوستان بھی ایسی زندہ اور روشن دل ہستیوں سے خالی نہیں رہا ہے، یہ ہستیاں صرف صاحب قال اور صاحب کمال ہی نہ تھیں، بلکہ صاحب دل اور صاحب حال بھی تھیں، وہ جو کچھ کہتے تھے، ان کے دل سے نکلتا تھا، اس لیے دل پر اثر کرتا تھا، جس وقت وہ وعظ فرماتے سراپا درد واثر ہوتے تھے، اس کا نتیجہ تھا کہ اگرچہ بڑے بڑے ارباب فضل وکمال موجود تھے مگر ان کی مجلسوں میں مقناطیس کی سی کشش تھی اور مواعظ وبیانات میں شہد کی سی حلاوت وچاشنی اور تاثیر تھی، کہ دور دور سے لوگ کشاں کشاں اور دیوانہ وار کھنچے چلے آتے تھے، دلوں کی سرد انگیٹھیاں گرما جاتی تھیں اور سخت دل موم ہو جایا کرتے تھے، ان مشہور اہل دل میں شیخ فرید الدین مسعود اجودھنیؒ متوفی ۶۶۴ھ، شیخ بہاء الدین زکریا بن محمد ملتانیؒ متوفی ۶۶۶ھ، شیخ نصیر الدین چراغ دہلیؒ متوفی ۷۵۷ھ، شیخ نظام الدین بدایونیؒ متوفی ۷۲۵ھ، مجدد الف ثانی امام ربانی شیخ احمد بن عبد الاحد سرہندیؒ متوفی ۱۰۳۴ھ ہیں۔

مجدد الف ثانی کے شیخ باقی باللہ متوفی ۱۰۱۲ھ جو کابل سے ہندوستان پہونچے تھے، ان کا شمار ان اہل دل میں ہوتا ہے، جن کے کلام کو سنتے ہی دل کی دنیا بدل جاتی ہے، مؤرخین کا بیان ہے کہ جو بھی ان کی مجلس میں حاضر ہوا اس کی کایا پلٹ ہو گئی۔ مجدد الف ثانی کے خطوط اپنے درد واخلاص، جوش وتاثیر، زور قلم اور قوت انشاء کے لحاظ سے ان خطوط ومکاتیب کے مجموعے میں جو دنیا کی کسی زبان میں اور کسی دینی اصلاح و تحریک کی تاریخ میں سپرد قلم کیے گئے ہیں، خاص امتیاز رکھتے ہیں اور سیکڑوں برس گزر جانے کے باوجود آج بھی ان میں اثر ودل آویزی پائی جاتی ہے، اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے مکتوب الیہم کے دلوں پر کیا اثر ڈالا ہوگا، حقیقت میں یہی خطوط مجدد الف ثانی کی دعوت و تبلیغ کے قاصد، ان کے زخمی دل کے صحیح ترجمان، ان کے قطرات اشک اور ان کے لخت ہائے جگر ہیں، اور دسویں صدی میں ہندوستان میں مغلیہ سلطنت میں جو عظیم انقلاب رونما ہوا اس میں ان کا بنیادی حصہ اور سب سے بڑا دخل ہے۔ ان خطوط کا بڑا ادبی مقام ہے، ان خطوط میں جو ادبیت اور تاثیر پائی جاتی ہے وہ دنیا کی کسی دوسری زبان کے خطوط میں نہیں ملتی، اسی طرح ان کے خلفاء اور شاگرد شیخ آدم بنوریؒ متوفی ۱۰۵۳ھ، شیخ محمد معصومؒ متوفی ۱۰۷۹ھ اور ان کے خلفاء وتابعین، شیخ الاسلام احمد بن عبد الرحیم معروف بولی اللہ دہلویؒ متوفی ۱۱۷۶ھ اور ان کے خلفاء، شیخ مرزا مظہر جان جاناںؒ متوفی ۱۱۹۵ھ اور شیخ عبد العزیز دہلویؒ متوفی ۱۲۳۹ھ کے خطوط، مواعظ اور بیانات میں بڑی دل آویزی اور مقناطیس کی جاذبیت آج بھی پائی جاتی ہے، شیخ عبد العزیز دہلویؒ نے ادبی اسلوب خصوصاً اردو زبان کی تہذیب وتنقیح اور ترقی میں بڑا رول ادا کیا ہے۔ [ادب اہل القلوب، از: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی، ص: ۱۷-۲۱]

صلحاء اور اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت، قوت اور جاذبیت ہے وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی، اخلاص وللّٰہیت، حب الٰہی اور عشق نبوی اور اندرونی کیفیت وسرمستی اور سوز دروں کا نتیجہ ہے، اندرونی کیفیت اور سوز دروں دلوں کو مسخر کر لیتا ہے، سنگ دلوں کو موم بنا دیتا ہے، شیخ جلال الدین رومیؒ کہتے ہیں:

"سوز دروں اور محبت تلخ کو شیریں بنا دیتی ہے، مٹی کو سونا بنا دیتی ہے، گدلے کو شفاف بنا دیتی ہے، درد کو دوا میں تبدیل کر دیتی ہے، قید خانہ کو چمن زار میں تبدیل کر دیتی ہے، بیماری کو نعمت بنا دیتی ہے، ظلم کو رحمت بنا دیتی ہے، محبت لوہے کو پگھلا دیتی ہے، پتھر کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہے، مردہ کو زندہ کر دیتی ہے اور غلام کو آقا بنا دیتی ہے"۔

وہ کہتے ہیں: "یہ محبت وہ پنکھ ہے جس کے ذریعہ مادی انسان فضا میں پرواز کرتا ہے، اور ثری سے ثریا پہونچ جاتا ہے اور جب یہی محبت پہاڑوں میں سرایت کر جاتی ہے، تو وہ جھومنے لگتے ہیں"۔

صلحاء اور اہل دل کے کلام کی یہ دل آویزی اور تاثیر کا اصل منبع ان کے قلوب کی پاکیزگی، مجاہدہ نفس، زہد وبے رغبتی، فنا فی اللہ، معرفت الٰہی، ایمان ویقین روح کی لطافت وذکاوت، تقویٰ و خشیت الٰہی اور اخلاق کی درستگی ہے۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"ادب وانشاء کے سلسلہ میں عام مؤرخ ونقاد اکثر اس حقیقت کو نظر انداز کردیتے ہیں کہ تحریر کی قوت، کلام کی تاثیر اور قبول عام وبقائے دوام کے لیے سب سے زیادہ معاون عنصر لکھنے والے کی اندرونی کیفیات، اس کا یقین، دلی جذبہ، کسی حقیقت کے اظہار کے لیے اس کی بے چینی وبے قراری ہے، ایسے کسی شخص کو جو اس اندرونی کیفیت سے سرشار اور اس کو دوسروں میں پیدا کرنے کے لیے مضطرب وبے قرار ہو جب قدرت کی طرف سے ذوق سلیم بھی عطا ہو، الفاظ واسالیب بیان پر ضروری حد تک قدرت بھی حاصل ہو اور اس کی تحریر میں علم وادب، عقل واستدلال اور حسن بیان کے ساتھ سوز دروں اور خون جگر بھی شامل ہو تو اس کی تحریر میں ایسا اثر اور ایسا زور پیدا ہوجاتا ہے کہ وہ اپنے زمانہ میں ہزاروں دلوں کو زخمی کرتی ہے اور سیکڑوں برس گزر جانے کے بعد بھی اس کی تازگی اور زندگی اور اس کی تاثیر اور قوت تسخیر قائم رہتی ہے"۔

مفکر اسلام علیہ الرحمہ آگے لکھتے ہیں:

"ناقدین ادب نے وقت، ماحول، فضا اور طبیعت کے فراغ کو ادب وشاعری کے لئے بہت زیادہ سازگار اور معاون عنصر تسلیم کیا ہے اور بہت سے ادیبوں اور شاعروں نے اس کا اظہار کیا ہے، کہ لب جو، کنار دریا، گوشۂ چمن، فصل بہار، نسیم سحر، صبح کا سہانا وقت، ان کی شاعری اور ان کے ادب کے لئے محرک بن جاتا ہے، اور ان میں بہت لوگ ایسے مقام کی تلاش اور ایسے وقت کے انتظار میں رہتے ہیں، اس طرح یہ حقیقت تسلیم کرلی گئی کہ روح کی لطافت اور دماغ کا سکون ادبیات کے لئے بہت معاون ہے۔

بعض اہل دل کے کلام میں جو غیر معمولی حلاوت وقوت ہے، وہ ان کی روح کی لطافت اور قلب کی پاکیزگی اور اندرونی کیفیت اور سرمستی کا نتیجہ ہے، اور اس کے لیے وہ کسی خارجی مدد، مقام اور وقت کے محتاج نہیں ہوتے، ان کی خوشی وسرمستی کا سرچشمہ اور ان کی دولت کا خزانہ ان کے دل میں ہوتا ہے، خواجہ میر درد نے جو خود صاحب دل اور صاحب درد تھے اس پورے گروہ کی ترجمانی اس شعر میں کی ہے۔

جائیے کس واسطے اے درد میخانے کے بیچ
کچھ عجب مستی ہے اپنے دل کے پیمانے کے بیچ

غرض اس باطنی کیفیت، یقین ومشاہدہ، دعوت کے غلبہ، اہل عصر اور اہل تعلق کو حقائق سے آگاہ کرنے اور منزل مقصود پر پہونچانے کے جذبۂ اخلاص، دردمندی، روح کی لطافت، قلب کی پاکیزگی اور اس سب کے ساتھ ذوق سلیم اور زبان پر قدرت نے اہل دل کو ایک بلند ادبی مقام عطا کیا ہے"۔[تاریخ دعوت وعزیمت:۳/۲۴۴]

اور جب کلام سلیم الطبع اور ہر طرح کی آلائشوں اور آلودگیوں سے پاک شخص کے زبان سے نکلتا ہے تو وہ اثر رکھتا ہے، کتب تاریخ میں اس کی سیکڑوں مثالیں دیکھی جاسکتی ہیں، حضرت سید احمد شہیدؒ کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ آپ کی مجلس میں چور، ڈاکو، قاتل فساق وفجار، رورو کر توبہ کرتے تھے، جب آپ کا قافلہ کلکتہ پہونچا تو آپ کی مجلسوں کے اثر سے میخانے بند ہوگئے۔

ابن جوزی کی مجالس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ سارے بغداد کو زیر وزبر کر رکھا تھا، خلفاء و سلاطین، وزراء اور اکابر علماء ان میں بڑے اہتمام سے اور بڑے شوق سے شرکت کرتے تھے، ہجوم کا یہ حال تھا کہ ایک ایک لاکھ آدمی ایک ایک وعظ میں شمار کیے گئے، دس پندرہ ہزار آدمیوں سے تو کسی طرح کبھی کم نہ ہوتے، تاثیر کا یہ عالم تھا، کہ لوگ غش کھا کھا کر گرتے، وجد وشوق میں گریباں پھاڑتے، لوگوں کی چیخیں نکل جاتیں، آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، توبہ کرنے والوں کا کچھ شمار نہ تھا۔[صید الخاطر، بحوالہ تاریخ دعوت وعزیمت:۱/۲۳۳]

مختصر یہ کہ اہل دل کے کلام نے دنیا کے افکار وادبیات پر گہرا اور دیرپا اثر ڈالا، ادبیات عالم میں ایسی شاذ ونادر کتابیں ملیں گی جنہوں نے دنیا کے اتنے وسیع حصہ کو متاثر کیا ہو جتنا کہ اہل دل کے کلام نے متاثر کیا ہے، دنیا کے عقلی، علمی اور ادبی حلقے ان کے ملفوظات ومواعظ سے صدیوں سے گونجتے چلے آرہے ہیں، اور دماغ کو نئی روشنی اور دلوں کو نئی حرارت بخش رہے ہیں، ان سے ہر دور میں شاعروں، ادیبوں اور اہل ذوق کو نئے مضامین، نئی زبان، نیا اسلوب ملتا رہا، اور وہ ان کے قوائے فکر اور ادبی صلاحیتوں کو ابھارتے رہے، ان سے بے چین طبیعتوں کو سکون و اطمینان ملتا رہا، اور عالم اسلام کے فکری تعطل، ادبی جمود، تقلیدی ادب اور علم کلام پر کاری ضرب لگائی۔

اہل دل کے کلام کی برتری، اثر انگیزی، قوت اور دل آویزی کا راز صرف اس حقیقت میں مضمر نہیں ہے کہ یہ سجع اور محاسن بدیع کی قیود سے پاک ہیں، سلیس اور رواں ہیں، بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان تحریروں کا باعث ومحرک عقیدہ اور جذبۂ دل ہے، یہ تحریریں ایک مسئلہ پر مکمل اطمینان قلب ہوجانے کے بعد، پورے جوش اور لگن کے ساتھ لکھی گئی ہیں، لہٰذا مناسب یہ ہے کہ از سر نو کتب ادبیات کے علاوہ سیر وسوانح اور تاریخ کے ذخیرہ کتب کو کھنگالیں اور اپنے نونہالوں اور نئی نسل کے سامنے ان کتابوں سے ادب واخلاق کے نمونے پیش کریں تاکہ وہ اس زبان کی چاشنی اور حلاوت سے لطف اٹھائے، اس کی نشو ونما اس طرح ہو کہ وہ صحیح اور بلیغ اسلوب میں مافی الضمیر کی ادائیگی پر قادر ہونے کے ساتھ ساتھ اس وسیع کتب خانے سے آگاہ ہو اور اس سے استفادہ کرسکے اور صلحاء کی زندگی سے فائدہ اٹھا کر ذہنی سکون اور قلبی اطمینان حاصل کرسکے اس لیے کہ اس مادی دور میں یہ عنصر عنقا ہوتا چلا جارہا ہے اور مغربی ثقافت وتمدن کے اثر سے اخلاقی قدریں مفقود ہوتی جارہی ہیں اور مادیت غالب آگئی ہے۔

☆☆☆☆☆

خبر ونظر

عالم اسلام

جاوید اختر ندوی

دین حق کی روشن کرنیں

اللہ رب العزت نے دین اسلام کو سب سے آخری اور مکمل دین بنایا ہے چنانچہ قرآن مجید میں صاف صاف اعلان کردیا: ﴿اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا﴾ یعنی میں نے دین اسلام کو مکمل کردیا اور آپ پر تمام تر نعمتیں مکمل کردی اور اسلام کو آخری دین کے طور پر پسند کرلیا۔

اسلام وہ دین ہے جو انسانی مزاج اور بشری فطرت کے مطابق ہے اور اس کے اندر انسانی ضروریات کی تمام تر رعایتیں رکھی گئی ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو کہ اسی ذات لاشریک نے اس دین کو روئے زمین برپا کیا ہے جو اس کائنات کا پالنہار ہے اور سارے جہان کا خالق ومالک ہے، وہ اعلان کرتا ہے: ﴿اَلَا یَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ﴾۔

اس لازوال دین کی یہ تاریخ رہی ہے اور اللہ تعالیٰ نے نظام عالم بھی کچھ ایسا بنایا ہے کہ وہ بت خانوں سے اسلام کے پاسبانوں کو پیدا کرتا رہا ہے اور انسانی عقل محو حیرت رہ جاتی ہے کہ وہ جو اسلام اور اس کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ازلی دشمن رہے اور انہوں نے اس دین کو زک پہونچانے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا، ان ہی کے گھروں سے کیسے کیسے محافظین دین اور خادمین ملت پیدا ہوئے اور انہوں نے کس کس زاویہ سے دین کی عظیم خدمت سرانجام دی، اللہ رب العزت کے ہاتھ میں سب کچھ ہے اور وہ انسان کو وقفہ وقفہ سے بتاتا رہتا ہے کہ یہی دین قیامت تک آنے والی انسانیت کے لیے نجات ... ہے اور یہ ہمیشہ سربلند رہے گا۔

آج مغرب کن کن پہلوؤں اور گوشوں سے دین اسلام کے صاف وشفاف چہرہ کو داغدار کررہا ہے، اس سے اہل فکر ونظر لاعلم نہیں ہیں، اسلام نے انسانی طبقات میں ہر ایک کو اس کی طبیعت وفطرت کے مطابق جو حقوق دیے ہیں، دیگر ادیان مذاہب کا دامن ان سے یکسر خالی ہے۔

سچی بات وہی ہے جو قرآن مجید نے اعلان کردیا اور کھلے لفظوں میں کہہ دیا کہ یہ دین ہمیشہ سربلند رہے گا، مغلوبیت اس کی فطرت نہیں، اور جس قدر اس کو دبانے کی کوشش کی جائے گی اتنا ہی یہ ابھرتا جائے گا، اور اہل ایماں تو اس دنیا میں خورشید کی طرح جیتے ہیں، اس کی سربلندی کا یہ معنی نہیں کہ یہ دین ساری دنیا پر ہمیشہ حکمرانی کرے گا بلکہ یہ وہ دین ہے جو ہمیشہ دلوں پر حکمرانی کرتا چلا آرہا ہے، اور قیامت تک کرتا رہے گا، اس لیے کہ یہ دین فطرت ہے اور جیسے ہی ساز دل سے اس کی آواز ٹکرائے گی وہ اس کا اسیر ہوتا چلا جائے گا، اس ... کہ مخالفت، مخاصمت، عداوت کے باوجود ہر طلوع ہونے والا سورج اس دین کے ماننے والوں کی تعداد میں اضافے کا مژدہ لیے ہوئے طلوع ہوتا ہے، اس کی مثالیں تو بہت ہیں، اور ہر داناو بینا ان کا مشاہدہ کرسکتا ہے، یہاں صرف برطانیہ ہی کی مثال لے لیجیے، سوانزی میں قائم مرکز برائے ادیان و مذاہب کی جانب سے کیے گئے سروے کی ایک رپورٹ اس حقیقت کا انکشاف کرتی ہے کہ گزشتہ سال ۲۰۱۱ء میں برطانیہ میں ۵۲۰۰ افراد نے اسلام قبول کرنے کا اعلان کردیا اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کھلم کھلا اسلام قبول کرلیا، ورنہ سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں افراد ایسے بھی ہیں جن میں خواتین کی ایک بڑی تعداد شامل ہے جو اپنے قبول اسلام کا چند وجوہات کی وجہ سے اعلان کرنا نہیں چاہتے، اور اس رپورٹ میں اس کی طرف خاص طور پر اشارہ کیا گیا ہے کہ ان پانچ ہزار نو مسلم افراد میں ۷۵ فی صد خواتین ہیں۔

دین اسلام کے تعلق سے مغرب ہمیشہ یہ پروپیگنڈہ کرتا رہا ہے اور اپنے زرخرید میڈیا کے ذریعہ اس کو خوب ہوا دیتا رہا ہے اور اسی بات کو دہراتا رہا ہے کہ مذہب اسلام میں خواتین مظلومیت کے شکار ہیں، ان کو ان کے جائز حقوق سے محروم رکھا گیا ہے، ان کے ساتھ مساوی سلوک روا نہیں رکھا گیا، ان کو دنیا اور اس کے اندر اپنا جوہر دکھانے کے مواقع سے محروم رکھ کر گھر میں مقید کردیا گیا، جبکہ حیرت ہوتی ہے کہ دین اسلام قبول کرنے والی خواتین کی اکثریت نے دین اسلام قبول کرنے کی اہم وجہ یہ بتلائی ہے کہ اسلام خواتین کو ان کے مکمل حقوق عطا کرتا ہے اور انہیں ہر قسم کا دینی، تہذیبی اور ثقافتی تحفظ فراہم کرتا ہے جو کسی مذہب میں ان کے لیے نہیں ہے، اس مذہب میں آنے کے بعد وہ اپنے آپ کو مکمل طور پر محفوظ پاتی ہیں۔

جاپان کے تجارتی مرکز میں نماز ہال

نماز ایک ایسی عبادت ہے جس میں بندہ اپنے آپ کو مکمل طور پر خالق ومالک کے حوالہ کرکے اس سے سرگوشیاں کرتا ہے، اور اس کے حکم کو بجالاتا ہے، جس میں نہ شور شرابا ہے اور نہ کسی طرح کا ہنگامہ، نہ سیٹیاں نہ تالیاں اور نہ موسیقی کی دھن، بلکہ خاموشی کے ساتھ ایک بندہ اپنے رب کے سامنے کھڑا ہوتا ہے اور اس سے راز و نیاز کرنے لگتا ہے، عبادت کا یہ طریقہ کسی اور مذہب میں نہیں ہے، اور پھر یہ کہ نماز میں تمام اہل اسلام خواہ وہ کسی طبقہ، کسی علاقہ، کسی رنگ ونسل سے تعلق رکھنے والے ہوں سب کے سب ایک ہی صف میں کھڑے ہوتے ہیں، اور ان کے مابین کسی طرح کا کوئی امتیاز نہیں رہتا، یہ منظر غیر مسلموں کے لیے بڑا متاثر کن ہوتا ہے۔

ایک مسلمان کو اس کے رب کی طرف سے یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ دن اور رات کے پانچ اوقات اپنے رب کے سامنے حاضر ہو اور جہاں کہیں ہو اگر نماز کا وقت آجائے تو اس میں تاخیر نہ کرے، اسی حکم الٰہی کے پیش نظر اذان کی آواز کانوں میں پڑتے یا اس کا وقت ہوتے ہی مسلمان مساجد کا رخ کرنے لگتے ہیں اور جہاں مساجد کی سہولت نہیں ہوتی وہاں کسی ہال یا صحن کو نماز کے لیے مخصوص کرلیتے ہیں یا نہیں تو کسی صاف جگہ پر اس فرض کی ادائیگی کرلیتے ہیں۔

عالمی منظر نامہ میں ٹکنالوجی اور اقتصادی ترقی کے میدانوں میں جاپان کو ادھر نصف صدی میں جو پیش قدمی حاصل ہوئی ہے وہ حیرت انگیز ہے، یہاں کے تجارتی مراکز پوری دنیا میں مشہور ہیں، شہر چناؤس کے ایک تجارتی مرکز، جہاں مسلمان تجار بھی بکثرت آتے اور اس دوران نماز کی ادائیگی مرکز کے مختلف مقامات پر کرلیتے، ملک میں پہلی دفعہ مسلمانوں کی سہولت کو پیش نظر رکھتے ہوئے نمازوں کے لیے ایک بڑے ہال کو مخصوص کردیا گیا ہے، جس میں مرد اور خواتین کے لیے علیحدہ جگہ بنائی گئی ہے، یہی نہیں بلکہ طہارت اور وضو کی بھی سہولیات مہیا کی گئی ہیں، اسی طرح چھت پر قبلہ کے رخ کی نشاندہی بھی کی گئی ہے۔

جاپان میں یہ اپنی نوعیت کا پہلا مصلّٰی کہا جاسکتا ہے جو کسی عوامی جگہ پر مخصوص کیا گیا ہے، تجارتی مرکز کے ذمہ داروں کا کہنا ہے کہ اس شہر میں مسلمان تجار اور خریداروں کی تعداد میں نمایاں اضافہ دیکھا گیا جو انڈونیشیا، ملیشیا اور دیگر ملکوں سے آتے ہیں، ہم نے انہیں مختلف کھلی جگہوں پر اِدھر اُدھر نماز پڑھتے دیکھا، اس لیے ان کی سہولت کے لیے ہم نے یہ ہال خاص کردیا ہے تاکہ وہ اطمینان وسکون کے ساتھ نمازوں کی ادائیگی کرسکیں۔

فرانس میں کلیسا برائے فروخت

دین اسلام کے علاوہ آج دنیا کے بیشتر مذاہب محض چند رسومات بن کر رہ گئے ہیں اور لامذہبیت ایسی عام ہوگئی ہے کہ مذہبی مقامات ویران ہوتے جارہے ہیں، مغربی ممالک کے حوالے سے گاہے گاہے اس طرح کی خبریں آتی رہتی ہیں کہ یہاں کے لوگ گرجاؤں کا رخ نہیں کرتے اور ان کو اپنے مذہب سے کوئی تعلق نہیں رہ گیا ہے، سال میں گنتی کے چند ہی مواقع ہوتے ہیں جب وہ اپنے مذہب کو یاد کرلیتے ہیں، اس کی وجہ سے گرجاؤں اور عبادت گاہوں کو فروخت کردیا گیا ہے۔

ان میں خاص خبر یہ تھی کہ یہ گرجائیں اور عبادت گاہیں مسلمانوں نے خرید لیں اور ان کو مساجد، مدارس، اسلامی مراکز اور دعوتی سینٹر کے طور پر استعمال کررہے ہیں، جہاں اللہ رب العزت کے ساتھ شرک کیا جارہا تھا اور اس کے دین کو جھٹلایا جارہا تھا، اب اسی جگہ سے اس کا نام بلند ہونے لگا اور اس کے دین کی حفاظت انتظام بھی ہورہا ہے۔

تازہ خبروں کے مطابق ملک فرانس جہاں عیسائیوں کی بڑی تعداد ہے، کے ایک چھوٹے سے شہر فرزن میں ایک گرجا فروخت کیا جارہا ہے، اس پچاس سالہ کلیسا پر برائے فروخت کی تختی لگادی گئی ہے، اس کا یہ ہرگز مطلب نہیں کہ اب اس شہر میں کیتھولک عیسائی نہیں رہ رہے ہیں، اور وہ کہیں اور ہجرت کرگئے ہیں، عیسائی تو بدستور یہاں آباد ہیں مگر گرجا کو آباد کرنے میں انہیں کوئی دلچسپی نہیں، اور وہ مذہب سے لاتعلق ہوکر رہ گئے ہیں، لہٰذا اس کے ذمہ داروں نے نفع ونقصان کا اندازہ کرکے اس کو فروخت کرنے کا فیصلہ کرلیا، اب انہیں مشکل یہ پیش آرہی ہے کہ کہیں اس کو مسلمان ہی نہ خرید لیں، اور یہی جگہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کا مرکز نہ بن جائے، مقامی عیسائیوں کو بھی یہ تشویش لاحق ہے کیونکہ اس کے خریداروں میں مسلمان ہی سب سے آگے ہیں، یہ ہوسکتا ہے کہ اسلام کی دعوت اور کی روز افزوں پھیلتی روشنی سے خوفزدہ اپنے دین ومذہب سے بے بہرہ یہ لوگ اس عمارت کو کسی تجارتی کمپنی یا دیگر مقاصد کے لیے فروخت کردیں مگر وہاں کے مسلمانوں کے ہاتھوں فروخت کے لیے تیار نہ ہوں۔

☆☆☆☆☆

عبرت انگیز

صرف آٹھ فائدے

ادارہ

حضرت شقیق بلخیؒ نے ایک دن اپنے شاگرد و مرید حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا: کتنی مدت سے میرے پاس رہتے ہو؟ انہوں نے عرض کیا ۳۳ برسوں سے، پوچھا کہ تم نے اس مدت میں کتنے علوم اور کیا کیا فائدے حاصل کیے؟ جواب دیا کہ صرف آٹھ فائدے اور یہی علم حاصل کرنے کا نتیجہ ہے، حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: انا للہ وانا الیہ راجعون، میں نے تمہاری تعلیم میں ایک عمر صرف کردی اور تم نے صرف اتنا ہی حاصل کیا؟ حاتم نے عرض کیا: حضرت! اگر آپ سچ پوچھتے ہیں تو پوری تحصیل صرف اس قدر ہے جو عرض کی اور اس سے زیادہ مجھے حاصل کرنے کی خواہش بھی نہیں، کیونکہ مجھے یقین ہے کہ اس قدر میری نجات کے لیے کافی ہے اور اس سے زیادہ فضول، حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: بیان تو کرو کہ وہ آٹھ فائدے کیا ہیں؟

☆اول یہ کہ میں نے دیکھا دنیا میں ہر شخص کو کوئی چیز محبوب ومرغوب ہوتی ہے، ان میں سے کوئی تو مرض الموت تک اس کا ساتھ دیتی ہے اور کوئی قبر تک، میں نے سوچ سمجھ کر ایسا محبوب پسند کیا جو مرنے کے بعد قبر میں بھی مونس وغمگسار ہے تو وہ عمل صالح ہے، حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: "احسنت"۔

☆دوسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دنیا میں سب کو نفس وخواہش کا تابع دیکھا، جب یہ آیت شریفہ میری نگاہ سے گذری: ﴿وَأَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ وَنَهَى النَّفْسَ عَنِ الْهَوَىٰ فَإِنَّ الْجَنَّةَ هِيَ الْمَأْوَىٰ﴾ (جو شخص اپنے پروردگار کے حضور میں کھڑا ہونے سے ڈرا اور نفس کو اس کی خواہش سے روکا تو پھر جنت ہی اس کا ٹھکانہ ہے) تو مجھے یقین ہوگیا کہ قرآن مجید سراسر حق ہے، پس میں نے نفس کو مجاہدہ کے شکنجہ میں ایسا کھینچا کہ اس کے سارے بل نکل گئے، یہاں تک کہ وہ بے چوں چرا اطاعت حق میں مطمئن ہوگیا۔ حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: "بارك الله عليك"۔

☆تیسرا فائدہ یہ ہے کہ میں نے دیکھا دنیا کے لوگ بڑی بڑی تکلیفیں اور مشقتیں اٹھاکر سامان دنیا میں سے کچھ حاصل کرلیتے ہیں اور اپنے دل میں بڑے خوش ہوتے ہیں کہ گویا کوئی عجیب ونفیس چیز حاصل کرلی، مجھے جو یہ آیت نظر پڑی: ﴿مَا عِندَكُمْ يَنفَدُ وَمَا عِندَ اللَّهِ بَاقٍ﴾ (جو کچھ تمہارے پاس ہے، ختم جانے والا ہے اور جو اللہ کے پاس ہے سدا رہنے والا ہے، کبھی فنا ہونے والا نہیں) تو میں نے اپنے برسوں کا اندوختہ اللہ کی راہ میں فقراء کو دے کر اللہ تعالیٰ کے ہاں امانت رکھ دیا، اس امید پر کہ وہاں وہ باقی رہے گا اور آخرت کے راستے میں میرا رہنما ہوگا، حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: تم نے خوب کیا۔

☆چوتھا فائدہ یہ کہ دنیا میں کوئی فخر کرتا ہے کہ میرے پاس مال واولاد بہت ہیں، کوئی اس پر اتراتا ہے کہ میں بڑا شہ زور اور سفاک اور خوں ریز ہوں وغیرہ وغیرہ، ہر کس بخیال خویش خبطے دارد، میں نے جو آیت کو پڑھا: ﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِندَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ﴾ (یقیناً خدا تعالیٰ کے نزدیک بڑا معزز وہی ہے، جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے) تو یقین کرلیا کہ خدا تعالیٰ کا فرمانا سچ ہے اور دنیاداروں کے خیالات سراسر خطا ہیں، تو میں نے تقویٰ اختیار کیا تاکہ مجھے حق تعالیٰ کے درگاہ میں عزت حاصل ہو، حضرت شقیق بلخیؒ نے فرمایا: "احسنت"۔

☆پانچواں فائدہ یہ کہ میں نے بہت سے لوگوں کو از راہ حسد ایک دوسرے کی برائی کرتے دیکھا کسی کو کسی کے جاہ ومرتبہ پر حسد ہے، کسی کو کسی کے علم وفضل پر، میں نے جب یہ آیت پڑھی: ﴿نَحْنُ قَسَمْنَا بَيْنَهُم مَّعِيشَتَهُمْ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (ہم نے ہی سامان عیش وزندگی کو انہیں تقسیم کیا ہے) تو میں سمجھ گیا کہ ہر ایک مقرر مقسوم روز اول سے ہی الگ الگ ہے، کسی کو اس میں اختیار نہیں اور قسمت خداوندی پر راضی ہوگیا، پھر مجھے کسی پر حسد نہ ہوا، بلکہ میری سارے جہاں سے صلح ہوگئی، حضرت شقیق نے فرمایا کہ تم نے بڑا اچھا کام کیا۔

☆چھٹا فائدہ یہ ہے کہ دنیا میں کسی سبب یا غرض سے اکثر ایک دوسرے کو دشمن ہوجاتے ہیں، میں نے یہ دیکھ کر ﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًّا﴾ (بے شک شیطان تمہارا دشمن ہے تو تم اس کو دشمن بنالو) میں نے یقین کرلیا کہ قرآن مجید سچ فرماتا ہے کہ سوائے شیطان اور اتباع شیطان کے کسی کو دشمن نہ ماننا چاہیے، تو میں نے اس کو دشمن سمجھ کر ہر بات میں اس کی نافرمانی کی اور خدا تعالیٰ کی اطاعت وفرماں برداری میں مشغول ہوگیا اور سمجھ گیا کہ راستہ یہی صحیح ہے، چنانچہ وہ فرماتا ہے: ﴿أَلَمْ أَعْهَدْ إِلَيْكُمْ يَا بَنِي آدَمَ أَن لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطَانَ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ وَأَنِ اعْبُدُونِي هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ﴾ (اے بنی آدم! کیا میں نے تم کو پہلے

سے نہیں کہہ دیا تھا کہ تم شیطان کا کہنا مت مانو، بیشک وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور میری ہی فرماں برداری کرو، یہی سیدھا راستہ ہے)۔ حضرت شفیقؒ نے فرمایا کہ تم نے خوب کیا۔

☆ ساتواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے لوگوں کو روزی اور سامان زندگی بہم پہنچانے میں کوشش کرنے اور حرام وشبہات میں پڑکر اپنے کو ذلیل وخوار کرتے دیکھا تو میری نظر اس آیت پر پڑی: ﴿وَمَا مِنْ دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللهِ رِزْقُهَا﴾ (زمین پر جو چیز متحرک ہے اس کا رزق اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے) میں سمجھ گیا کہ میں بھی انہی چیزوں میں داخل ہوں جس کے رزق کا کفیل اللہ تعالیٰ ہے، پس میں بے فکر ہوکر خدا تعالیٰ کی عبادت میں مشغول ہوگیا۔ حضرت شفیقؒ نے فرمایا کہ تم نے خوب کیا۔

☆ آٹھواں فائدہ یہ ہے کہ میں نے کسی نہ کسی چیز پر لوگوں کو بھروسہ کرتے دیکھا، کوئی مال ودولت پر بھروسہ رکھتا ہے، کوئی حرفہ وزراعت پر، کوئی آپ جیسی مخلوق پر، میں نے اس پر غور کیا: ﴿وَمَنْ يَتَوَكَّلْ عَلَى اللهِ فَهُوَ حَسْبُهُ﴾ (جس نے خدا تعالیٰ پر بھروسہ کیا تو وہ اس کے لیے کافی ہے) تو میں نے سب کو چھوڑ کر خدا تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرلیا اور وہی میرے لیے کافی اور اچھا کارساز ہے۔

حضرت شفیقؒ نے فرمایا: حاتم! تم کو خدا تعالیٰ توفیق دے تم نے بہت اچھا کیا، میں نے تورات و انجیل وزبور وفرقان کو دیکھا تو ان کے پندونصائح کا بھی انہی آٹھ فائدوں پر مدار ہے۔ جس نے اس پر عمل کرلیا گویا ان چار کتابوں پر عمل کرلیا، اس قصہ سے معلوم ہوگیا کہ تم کو بہت سے علوم کی حاجت نہیں۔

[مکتوب امام غزالی، ص/۲۳-۲۷]

☆☆☆☆☆

جناب سید مصباح النبی حسنی نے داعی اجل کو لبیک کہا

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی اہلیہ کے بھتیجے اور ناظم ندوۃ العلماء وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے چچازاد بھائی جناب سید مصباح النبی حسنی کا ۲۷ رذی الحجہ ۱۴۳۳ھ مطابق ۱۳ رنومبر ۲۰۱۲ء منگل کو رائے بریلی میں انتقال ہوگیا۔

مرحوم تقریباً ۷۶ سال کے تھے، وہ کافی عرصے سے بیمار تھے، صحت خاصی کمزور ہوگئی تھی، تین روز قبل شہر کے ایک اسپتال میں داخل کرائے گئے تھے جہاں وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، نماز جنازہ بعد نماز ظہر ہوئی، اور اپنے آبائی قبرستان میں سپرد خاک کیے گئے، نماز جنازہ مخدوم ومربی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ نے پڑھائی، جس میں اعزاء واقارب کے علاوہ ممتاز دینی اور علمی شخصیات نے شرکت کی۔

موصوف دینی تعلیم کے علاوہ عصری علوم میں کمال رکھتے تھے، لکھنؤ یونیورسٹی سے وکالت کی ڈگری حاصل کی، کچھ دنوں سیلس ٹیکس ڈپارٹمنٹ میں ملازمت بھی کی لیکن اس پیشہ سے طبعی مناسبت نہ ہونے کی بناء پر اس کو ترک کردیا، اور ہندوستانی سفارت خانہ میں خدمات انجام دیں، تقریباً ۴ سال جدہ میں مقیم رہے، ایک مدت تک ہندوستان کے موجودہ نائب صدر جناب حامد انصاری کی معیت میں بھی کام کیا، حج کے دنوں میں موصوف اپنے آپ کو حاجیوں کی خدمت کے لیے وقف کردیتے تھے، اور ہر طرح سے ان کو سہولیات بہم پہونچانے کے لیے کوشاں رہتے تھے، تقریباً چھ سال قبل ہندوستان واپس آگئے تھے اور اپنے آبائی وطن تکیہ کلاں میں ہی مقیم رہے۔

موصوف نے باقاعدہ دینی تعلیم حاصل نہیں کی تھی لیکن علماء کی سی زندگی گزاری، بہت ہی قناعت پسند اور نہایت پرہیزگار شخص تھے، اپنی ذمہ داریوں کے تئیں بہت ہی حساس اور وقت کے پابند تھے، دنیا کی محبت سے بے نیاز تھے، جو کچھ کماتے اہل خاندان، اہل تعلق اور پریشان حال وضرورت مندوں پر خرچ کرتے تھے، آپ کی شرافت نفسی، وفاشعاری اور امانت داری کو آپ کے رفقاء آج بھی یاد کرتے ہیں اور آپ کی مثال دیتے ہیں، آپ کو انگریزی زبان میں خاصا ملکہ حاصل تھا، ہندوستان واپس آنے کے بعد دارعرفات سے وابستہ ہوگئے، جس کے آپ بنیادی رکن تھے، اس دوران "مرکز الامام ابی الحسن الندوی" کے انگریزی ترجمان Arfat Voice کا انگریزی ترجمہ بھی کرتے رہے، انہوں نے متعدد کتابوں کا انگریزی میں ترجمہ بھی کیا، جن میں سے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی اہم کتاب "اسلام کے تین بنیادی عقائد"، مولانا سید محمد الحسنیؒ کی "قرآن آپ سے مخاطب ہے"، اور مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی کی "حدیث کی روشنی" خاص طور پر قابل ذکر ہیں، پسماندگان میں تین بیٹے سید ضیاء النبی، سید محمد مکی، سید احمد اور ایک بیٹی ہیں، اللہ تعالیٰ پسماندگان کو صبر جمیل سے نوازے اور مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا کرے۔ آمین! قارئین سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

☆☆☆

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔

ALAUDDIN TEA
44, Haji Building S.V. Patel Road
Null Bazar, Mumbai-400003
Tele Add Cupkettle
Ph: 23460220-23468708

ماہ مبارک کی عبادت مبارک مبارک!
روز عید کی مسرت مبارک مبارک!

پروپرائٹر: ولی اللہ
ولی اللہ جویلرس
WALIULLAH
Jewellers
ALL KINDS OF GOLD, SILVER & DIAMOND JEWELLERY
Mob. 9415090544, 9936672278
Phone : 0522-2627446 (S)
e-mail : waliullahjewellers@gmail.com
Jutey Wali Gali, Aminabad, Lucknow

MAQBOOL JEWELLERS
مقبول جویلرس
جوتے والی گلی امین آباد
Jutey Wali Gali, Aminabad Lucknow
Mob.: 9956069081-9919089014
Shop No. S-13 Gole Market, Mahanagar Lucknow
Ph: 0522-4000130 (S) - 4001130

ممبئی کے قارئین کی خدمت میں
ممبئی کے قارئین "تعمیر حیات" سے گزارش ہے کہ "تعمیر حیات" کے سلسلہ میں رقم جمع کرنے یا خریدار بننے کے سلسلہ میں ذیل کے پتہ پر رابطہ قائم کریں، وہاں ان کو رقم جمع کرنے کی رسید مل جائے گی۔
کیفے فردوس
CAFE FIRDOS
Partly Air Condition
MOGHALAI & CHINESE FOOD
Tel.: 23424781 - 23459921
145, Sarang Street, Crawford Market, Mumbai-400003

Phone 0522-3058041
ریڈی میڈ مردانہ ملبوسات کا قابل اعتماد مرکز
اعلیٰ کوالٹی، جدید ترین فیشن کے ساتھ
Shirts, Trousers, Coats, Embroidered Sherwanis, Pullowers, Jackets, Kurta-Suits, Night Suits, Gown & Ties
menmark®
Men's Exclusive
MFG. Wholesale, Export & Retail
58, Halwasia Market, Hazratganj, Lucknow-226001

Mohd. Zubair
Mohd. Salman
0522-2618629
09415028247
09919091462
Sahara
FOOTWEAR
wholesale
35, Amethi House, Near Post Office, Aminabad, Lucknow-18

Postal Regd. No. LW/NP/63/2012TO2014
R. N. I. No. UP. Urd/2001/6071
Despatch Date, 10-12 / 25-27
Vol. No. 50 Issue No.02

Fortnightly

TAMEER-E-HAYAT

Tagore Marg, Badshah Bagh, Lucknow-07

Ph. Off. : 0522-2740406
Fax : 0522-2741221
E-mail : nadwa@sancharnet.in

25 November, 2012

Booking Open

SAITECH GRACE

An Ideal House You Truly Deserve

2 BHK / 3 BHK & 4BHK
Premium Flats Available
at Affordable Prices

FACILITIES /AMENITIES

24X7 security system, Intercom / EPABX system from Entrance Gate, Power Backup through Generator, Internet connectivity, Pressurized water supply system, High quality single lever bathroom fittings, Open and covered car parking, Children play ground, Jogging / walking track, Gymnasium provision, Automatic high speed lifts, Fire Fighting System, Ample open and covered (still and basement) car parking space, Visitor's Parking.

BUILDERS & DEVELOPERS
SAITECH INFRASTRUCTURE PVT. LTD.
MAS COLONISERS (INDIA) PVT. LTD.

Corporate Office
06-F.F., Natraj Complex, 11 B.N. Road, Lalbagh,
Lucknow - 226001
Tele Fax : +91-522-4077160
Mob.: 9838456123, 9450200000,
9450931440, 9415022240
Website : www.saitechbuilders.com
E-mail : saitechinfra@gmail.com
Site Office 485/8, Mohan Meakin Road,Daliganj, Lucknow.

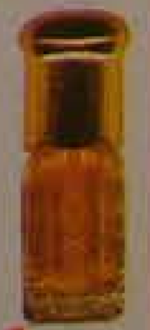

لکھنؤ کے قدیم مشہور و معروف صندل سے تیار کردہ روغنیات، عرقیات، کولر پرفیوم، کار پرفیوم، روم فریشنر، فلور پرفیوم، روح گلاب،
روح کیوڑہ، عرق گلاب، عرق کیوڑہ، اگربتی، ہربل پروڈکٹ

خوشبودار عطریات

: کی ایک قابل اعتماد دوکان :

ایک مرتبہ تشریف لاکر خدمت کا موقع دیں

تیار کردہ

اظہارسن پرفیومرس

اکبری گیٹ چوک لکھنؤ
برانچ: C-5، جنپتھ مارکٹ، حضرت گنج

IZHARSON PERFUMERS
H.O. : Akbari Gate, Chowk, Lucknow.
Tel : 0522-2255257 Mobile : +91-9415009102
Branch : C-5 Janpath Market, Hazratganj
Lucknow 226001 U.P. INDIA Cell:91-9415784932
E-mail : izharsonperfumers@yahoo.com

Editor *Shamsul Haq Nadwi*, Printed & Published by *Athar Husain*
On behalf Majlis-e-Sahafat-wa-Nashriyat at Azad Printing Press Mahboob Building Nazirabad, Lko. Ph: 9415100085

Designed By : Future Graphix, Lko. Mobile :